جلد ۸۰ جولائی، اگست ۱۹۹۶ء شمارہ ۷، ۸

## اس شمارے میں

# سرور کونین خاتم النبین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی خدمت میں بانی سلسلہ احمدیہ کا نذرانہ عقیدت

"سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال والے نبیؐ کے ساتھ رکھو۔"

"نوع انسان کے لئے روئے زمین پر اب کوئی کتاب نہیں مگر قرآن اور تمام آدم زادوں کے لئے اب کوئی رسول اور شفیع نہیں، مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، سو تم کوشش کرو کہ سچی محبت اس جاہ و جلال کے نبیؐ کے ساتھ رکھو اور اس کے غیر کو اس پر کسی نوع کی بڑائی مت دو تا آسمان پر تم نجات یافتہ لکھے جاؤ۔ اور یاد رکھو کہ نجات وہ چیز نہیں جو مرنے کے بعد ظاہر ہوگی، بلکہ حقیقی نجات وہ ہے کہ اسی دنیا میں اپنی روشنی دکھلاتی ہے۔ نجات یافتہ کون ہے؟ وہ جو یقین رکھتا ہے کہ خدا سچ ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس میں اور تمام مخلوق میں درمیانی شفیع ہے اور آسمان کے نیچے نہ اس کے ہم مرتبہ کوئی اور رسول ہے اور نہ قرآن کے ہم مرتبہ کوئی اور کتاب ہے اور کسی کے لئے خدا نے نہ چاہا کہ وہ ہمیشہ زندہ رہے، مگر یہ برگزیدہ نبیؐ ہمیشہ کے لئے زندہ ہے ـــــ موسیٰؑ نے وہ متاع پائی جس کو قرون اولیٰ کھو چکے تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ متاع پائی جس کو موسیٰؑ کا سلسلہ کھو چکا تھا۔ اب محمدی سلسلہ موسوی سلسلہ کا قائم مقام ہے، مگر شان میں ہزارہا درجہ بڑھ کر" (کشتی نوح ص ۱۳)۔

"ہم کیا چیز ہیں اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم کافر نعمت ہوں گے اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحید حقیقی ہم نے اس نبیؐ کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خدا کی شناخت ہمیں اس کامل نبیؐ کے ذریعہ سے اور اس کے نور سے ملی ہے اور خدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اس کا چہرہ دیکھتے ہیں، اسی بزرگ نبیؐ کے ذریعہ سے ہمیں میسر آیا ہے۔ اس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اسی وقت تک ہم منور رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اس کے مقابل پر کھڑے ہیں" (حقیقۃ الوحی ص ۱۱۶)۔

# رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعمیر اخلاق کا انقلابی پروگرام---۱

## "بے شک آپؐ اخلاق کے بلند ترین مقام پر ہیں" (قرآن مجید)

از حضرت مولانا محمد علی صاحب

### اخلاقی اصلاح سب اصلاحات پر مقدم ہے

ان کاموں میں سے جو سب سے پہلے آپؐ کے مدنظر تھے۔ تعمیر اخلاق کا اہم کام بھی ایک تھا۔ انسانوں کے جسمانی دکھوں اور تکلیفوں کے لئے ہم دیکھ چکے ہیں کہ کس طرح آپؐ کا دل دکھتا تھا۔ غلام، یتیم، بیوہ، محتاج، مصیبت زدہ، مظلوم جس کا حق چھین لیا گیا ہو ان سب کی ہمدردی کا مقام آپؐ کے دل میں اس قدر بلند تھا کہ نبوت کے مقام پر کھڑا کیا جانے سے بھی پہلے آپؐ ان کاموں کے لئے اپنی قوم کے دلوں میں ایک ممتاز مقام حاصل کر چکے تھے۔ نبوت پر کھڑا کیا جانے کے بعد آپؐ نے انہی اوصاف کو دوسروں میں بھی پیدا کیا اور بیکس اور مظلوم کے لئے وہی احساس دوسروں کے دلوں میں پیدا کر دیا جو آپؐ کے دل میں تھا۔ لیکن آپؐ کی اصلاح کا دائرہ ان کاموں سے بھی بلند تر تھا۔ آپؐ کے دل کو سب سے زیادہ تکلیف انسانوں کی اخلاقی گراوٹ سے پہنچتی تھی۔ آپؐ نے اس بات کو محسوس کیا اور یہ خدا کی وحی سے تھا کہ ان اصلاحات سے پہلے جو معاشرت، تمدن اور حکومت سے تعلق رکھتی تھیں، انسانوں کی اخلاقی اصلاح کی ضرورت ہے۔ ہر قسم کی حق تلفیوں اور مظالم کا علاج قوانین کے ذریعہ ہونا لازمی تھا۔ مگر آپ اس بات کو بخوبی جانتے تھے کہ قوانین بھی انسانوں کو اسی وقت فائدہ پہنچا سکتے ہیں جب اخلاق کی اصلاح ہو جائے اور جن لوگوں نے ان قوانین پر عمل کرنا یا کرانا ہے وہ ایک بلند اخلاقی سطح پر کھڑے ہوں۔ اس لئے آپؐ کی ابتدائی وحی میں ہی جس طرح ایک خدا کی ہستی اور اس پر ایمان، نسل انسانی کی وحدت، انسان کے مقام بلند، خدا کی عبادت، مخلوق الٰہی پر شفقت وغیرہ اصولی امور کی طرف توجہ دلائی گئی۔ تعمیر اخلاق پر بھی اسی زمانہ میں خاص طور پر زور دیا گیا۔

### سچائی میں آپؐ کا بلند مقام

خود پیغمبرؐ خدا کے متعلق ایک بات دوست اور دشمن دونوں کو مسلم تھی کہ آپؐ کی صداقت پر کبھی کسی نے حرف نہیں رکھا۔ جب حضرت ابوبکرؓ کو لوگوں نے کہا کہ آپؓ کے دوست حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ آپؐ کو خدا کی طرف سے وحی اترتی ہے تو آپ نے اس کا اسی قدر جواب دیا کہ یقیناً" وہ اپنے دعویٰ میں صادق ہیں کیونکہ آپؐ نے کبھی انسانوں پر جھوٹ نہیں بولا تو خدا پر کس طرح جھوٹ بول سکتے ہیں۔ ابھی آپؐ کی تبلیغ کے ابتدائی ایام ہی تھے، جب آپؐ پر یہ وحی اتری کہ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ تو آپ نے کوہ صفا پر کھڑے ہو کر ایک ایک قریش کے قبیلے کا نام لیکر ان کو پکارا اور جب سب جمع ہو گئے تو آپ نے انہیں کہا کہ اگر میں تمہیں یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک زبردست لشکر تم پر حملہ کرنے کے لئے تیار بیٹھا ہے تو کیا تم میری بات کو مان لو گے تو سب نے بالاتفاق جواب دیا: "ہاں ہم مان لیں گے۔ ہم نے سوائے سچ کے آپؐ کی زبان سے اور کچھ نہیں سنا" (بخاری ۶۵:۲۶-۲)۔

ایک اور موقعہ پر آپؐ کے سب بڑے بڑے مخالف جمع ہوئے کہ کوئی متفقہ فیصلہ کریں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں کیا نقص پیدا ہوا ہے۔ ہر قسم کے سوالات پر بحث ہوئی۔ کیا آپؐ کاہن ہیں؟ کیا آپؐ

خواب بین ہیں؟ کیا آپؐ شاعر ہیں؟ کیا آپؐ جھوٹے ہیں؟ تو اس ایک امر پر سب کا اتفاق تھا کہ آپؐ جھوٹے نہیں اس لئے کہ جھوٹ آپؐ کے منہ سے کبھی نہیں سنا گیا۔

اس زمانہ میں جب مخالفت اور بھی زیادہ ہو چکی تھی اور قریش مسلمانوں کے ساتھ جنگ شروع کر چکے تھے۔ ہرقل نے ابو سفیان کو جو اس وقت آنحضرت ﷺ کی مخالفت میں سب سے آگے تھا اور اس وقت تجارتی اغراض کے لئے ملک شام میں تھا۔ اپنے سامنے بلایا اور اس سے چند سوالات دریافت کئے' جن میں سے ایک یہ تھا:

"کیا تم نے کبھی اس پر جھوٹ بولنے کا الزام لگایا اس سے پیشتر جو آپؐ نے نبوت کا دعویٰ کیا" تو ابو سفیان نے جواب دیا۔ "نہیں"

(بخاری ۱:۱)

آپؐ کی صداقت ہی تھی جس نے آپؐ کے ہمعصروں سے یہ خراج وصول کیا کہ آپ "الامین" کے نام سے مشہور ہو گئے۔

## سچ بولنے کی تعلیم

صادق ہونے کے لحاظ سے خود اس بلند مقام پر کھڑے ہو کر آپؐ نے اخلاق کی تعمیر میں سب سے پہلے جس چیز پر زور دیا وہ یہ تھی کہ سچ بولیں۔ فرمایا:

"سچائی نیکی کی طرف لے جاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے اور ایک شخص سچ بولتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ صدیق بن جاتا ہے اور جھوٹ برائی کی طرف لے جاتا ہے اور برائی آگ کی طرف لے جاتی ہے اور ایک شخص جھوٹ بولتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اللہ کے نزدیک کذاب لکھا جاتا ہے" (بخاری ۷۸ : ۶۹)۔

آپؐ نے جس جماعت کی بنیاد رکھی اس میں ہر شخص پر یہ ضروری ٹھہرایا گیا کہ نہ صرف وہ خود سچ بولے بلکہ دوسروں کو بھی سچ بولنے کی تلقین کرتا رہے:

"زمانہ گواہ ہے کہ انسان گھاٹے میں ہے سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں اور ایک دوسرے کو حق بات کہنے کی نصیحت کرتے رہیں اور ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرتے رہیں"

(سورۃ ۱۰۳)

جعفر طیار نے جب نجاشی کے سامنے پیغمبر خدا ﷺ کی تعلیم کا ذکر کیا۔ تو کہا۔

"خدا نے ہمارے درمیان ہماری اصلاح کے لئے ایک پیغمبر کھڑا کیا۔ وہ ہمیں ایک خدا کی عبادت کی طرف بلاتا ہے۔ وہ ہمیں حکم دیتا ہے کہ ہم سچ بولیں۔ اپنی امانتوں کو ادا کریں۔ قرابت کا لحاظ کریں اور اپنے ہمسایوں سے نیکی کریں۔"

آپ کی تعلیم یہ تھی کہ جو شخص حق پر کھڑا ہو باطل کو وہ توڑ دیتا ہے خواہ کتنا بھی زبردست باطل ہو۔

"ہم حق کو جھوٹ پر دے مارتے ہیں۔ سو وہ اس کا سر توڑ دیتا ہے اور وہ (جھوٹ) زائل ہو جاتا ہے" (۸۱:۲۱)۔

"حق آگیا اور باطل بھاگ گیا باطل بھاگ جانے والی چیز ہے۔"

(۸۱:۱۷)

ایک طرف اگر انسان کو جھوٹ بولنے سے کچھ فائدہ حاصل ہوتا ہو اور دوسرے طرف سچ بولنے سے نقصان ہوتا ہو تو تعلیم یہی دی گئی ہے کہ سچ بولو خواہ نقصان ہی اٹھانا پڑے۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔ انصاف کو قائم رکھنے والے اللہ کے لئے (سچی) گواہی دینے والے رہو گو معاملہ تمہاری اپنی ذات یا ماں باپ یا قریبیوں کے خلاف ہو۔ اگر کوئی امیر ہو یا غریب تو اللہ کا دونوں پر تمہاری نسبت زیادہ حق ہے۔ سو تم خواہشات کی پیروی نہ کرو اگر تم پیچدار بات کرو یا (سچ سے) اعراض کرو تو اللہ اس سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو" (۴ : ۱۳۵)۔

سچائی پر اس حالت میں بھی قائم رہنا ضروری تھا جب اس سے دشمن کو فائدہ پہنچتا ہو:

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو۔ اللہ کے لئے (سچائی کو) قائم کرنے

والے انصاف کی گواہی دینے والے رہو۔ کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب ہے" (۸:۵)۔

آخر میں صرف سچائی ہی انسان کے کام آگے گی۔

"یہ وہ دن ہے جب سچ بولنے والوں کو ان کی سچائی نفع دے گی۔ ان کے لئے باغ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں انہی میں رہیں گے اللہ ان سے راضی ہوگا وہ اللہ سے راضی ہوں گے یہی بڑی بھاری کامیابی ہے" (۱۱۹:۵)۔

## پیروؤں میں سچ بولنے کی صفت

پیغمبرؐ خدا کو مصلحین عالم میں یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ جو کامیابی کا راستہ آپؐ نے لوگوں کو بتایا اس پر انہیں چلا کر بھی دکھا دیا۔ سچائی نے اس قدران کے دلوں کے اندر گہری جڑیں پکڑلیں کہ وہ نہ صرف سچائی سے محبت رکھتے تھے بلکہ سچائی کی خاطر بڑے بڑے دکھ بھی اٹھاتے تھے۔ ان کو یہ تعلیم دی گئی تھی کہ ظالم بادشاہ کے سامنے بھی سچ ہی بولیں۔

"سب سے افضل جہاد یہ ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے سچی بات کہہ دی جائے" (مشکوۃ ۱۷)۔

جب آپؐ کے زمانہ کے کوئی دو سو سال بعد حدیث کے راویوں پر جرح اور تعدیل کے اصول قائم کئے گئے تو ایک بات جس پر سب کا اتفاق تھا یہ تھی کہ پیغمبر خداؐ کے کسی صحابی کی طرف ارادتاً" جھوٹ بولنا منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ خود قرآن کریم میں آخری زمانہ کی وحی میں اس کی شہادت موجود ہے۔

"اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت بٹھا دی ہے اور اسے تمہارے دلوں میں خوبصورت بنا کر دکھایا ہے اور تمہارے دلوں میں کفر اور نافرمانی اور گناہ سے نفرت بٹھا دی ہے" (۷:۴۹)۔

ایمان کے لفظ میں سب نیکیاں آجاتی ہیں اور سچائی کو سب نیکیوں کی جڑ قرار دیا گیا ہے۔ جب مکہ سے مسلمان بھاگ کر مدینہ گئے تو اس وقت بھی ان میں سچائی کی صفت موجود ہونے کی شہادت قرآن مجید نے دی ہے:

"وہ لوگ جو جھوٹ کے پاس نہیں پھٹکتے اور لغو باتوں پر سے گزرتے ہیں تو بزرگانہ طور گزر جاتے ہیں" (۷۲:۲۵)۔

## پیغمبر خدا کی استقامت

دوسری استقامت کی صفت ہے جو پیغمبر خدا ﷺ کی اپنی ذات میں ایک روشن ستارہ کی طرح نمایاں نظر آتی ہے جب آپؐ کو ہر طرف سے دکھ اور تکلیفیں پہنچائی جاتی تھیں' کامیابی کی کوئی جھلک نظر نہ آتی تھی اور آپؐ کے چچا ابوطالب بھی قوم کی مخالفت کی وجہ سے تنگ آکر آپؐ کا ساتھ چھوڑ کر آپ کو دشمنوں کے حوالے کرنے کے لئے تیار نظر آتے تھے' اس وقت بھی آپؐ کے پائے ثبات میں جنبش نہیں آئی اور آپؐ نے اپنے چچا کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

"اگر وہ سورج کو میرے دائیں ہاتھ میں اور چاند کو میرے بائیں ہاتھ میں لاکر بھی رکھ دیں اور مجھ سے یہ چاہیں کہ میں اس کام کو چھوڑ دوں تو میں اسے نہیں چھوڑوں گا یہاں تک کہ اللہ مجھے اس میں کامیاب کردے یا میں اس کوشش میں ہلاک ہو جاؤں۔"

پھر جب آپؐ کے سامنے طرح طرح کی ترغیبات پیش کی گئیں تو آپؐ نے حکومت' دولت اور حسن تینوں چیزوں کو جو انسان کے لئے باعث کشش ہو سکتی ہیں ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ مجھے ان تینوں چیزوں کی ضرورت نہیں' میں تو صرف تمہیں فسق و فجور سے نکال کر نیکی کے رستے پر ڈالنا چاہتا ہوں۔ پھر تین سال تک آپؐ کو اور آپؐ کے قبیلہ بنی ہاشم کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا گیا جہاں سوائے ایام حج کے آپؐ کی تبلیغ کا دروازہ بھی بند ہوگیا اور طرح طرح کے شدائد میں آپؐ کو زندگی بسر کرنی پڑی۔ تب بھی آپؐ کے استقلال میں کوئی فرق نہ آیا۔ مدینہ کو بھاگتے وقت آپؐ کو ایک غار میں پناہ لینی پڑی اور اس

غار کے سر پر دشمن آ پہنچا اس وقت دشمن کی ایک نظر آپؐ کی زندگی کا خاتمہ کرنے کے لئے کافی تھی تب بھی آپؐ کے منہ سے یہی نکلا کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ غرض ہر حال میں آپؐ کی استقامت ایک پہاڑ کی طرح نظر آتی ہے۔ جسے کوئی خوف، کوئی لالچ، کوئی دشمن کا منصوبہ ہلا نہ سکا۔

## سچائی کے بعد استقامت کی تعلیم

سچائی کے ساتھ دوسرا بلند خلق جس پر آپؐ کی تعلیم میں خاص زور پایا جاتا ہے، یہی استقامت ہے۔ جہاں یہ حکم ہے کہ وہ ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت کرتے رہیں وہیں یہ بھی حکم ہے کہ وہ ایک دوسرے کو صبر کی نصیحت کرتے رہیں یعنی اپنے عمل سے اور اپنے وعظ سے ایک دوسرے کو یہ سمجھاتے رہیں کہ حق کو اختیار کرنے کی وجہ سے جو مشکلات پیش آئیں ان کے مقابل میں مضبوط رہنا چاہیے۔ آپؐ نے بتایا کہ جب انسان استقامت اختیار کرتا ہے راست روی پر قائم رہتا ہوا مصائب اور مشکلات کی پروا نہیں کرتا۔ انسان اس کے دشمن بن جاتے ہیں تو خدا کے فرشتے اس کی تسکین کے لئے آسمان سے اترتے اور اس کے مددگار بن جاتے ہیں۔

"جو لوگ کہتے ہیں ہمارا رب اللہ ہے۔ پھر اس پر استقامت اختیار کرتے ہیں ان پر فرشتے اترتے ہیں (اور انہیں تسلی دیتے ہیں) کہ ڈرو نہیں اور نہ غمگین ہو اور اس جنت کی خوشخبری لو جس کا وعدہ تم سے کیا جاتا تھا۔ ہم دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی تمہارے مددگار اور دوست ہیں اور تمہیں اپنی زندگی میں وہ سب کچھ مل کر رہے گا جو تمہارے دل چاہتے ہیں اور تمہیں اپنی زندگی میں وہ بھی مل کر رہے گا جو تم مانگتے ہو" (۴۱: ۳۰-۳۱)۔

ذیل میں پیغمبرؐ کے ساتھیوں کے دلوں کا نقشہ ہے جو پیغمبروں کے ذکر میں کھینچا گیا ہے۔

"اور کیونکر ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں اور اسی نے ہمیں صحیح راستوں پر چلایا ہے اور ہم اس پر صبر اختیار کریں گے جو تم ہمیں ایذا دیتے ہو اور بھروسہ کرنے والے اللہ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں" (۱۲:۱۴)۔

صبر جس کا بار بار قرآن مجید میں ذکر آتا ہے جس کے لئے مومنوں کو نصیحت کی جاتی ہے اس سے مراد یہی استقامت تھی۔ صبر کے معنی ہیں اپنے آپ کو مشکلات کے مقابل حق پر روک رکھنا۔ استقامت اور صبر کی تلقین سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے۔

"تو اسی (حق) کی طرف لوگوں کو بلاتا رہ اور سیدھی راہ پر مضبوط کھڑا رہ جیسا تجھے حکم دیا گیا ہے اور ان کی خواہش کی پیروی نہ کر اور کہہ دے کہ میں اس پر ایمان لایا جو اللہ نے کتاب سے اتارا ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں" (۱۵:۴۲)۔

"سو تو سیدھی راہ پر مضبوطی سے چلتا رہ جس طرح تجھے حکم دیا گیا ہے اور وہ بھی (استقامت اختیار کرے) جو توبہ کر کے تیرے ساتھ ہوا اور ان لوگوں کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں ورنہ تمہیں آگ چھو جائے گی" (۱۱:۱۱۲، ۱۱۳)۔

صبر (یعنی استقامت) اور دعا دو دروازے ہیں جن سے خدا کی مدد آتی ہے۔

"اے لوگو! جو ایمان لائے ہو صبر اور دعا سے خدا کی مدد چاہو۔ یقیناً" اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے" (۲: ۱۵۳)۔

"استقامت اختیار کر یقیناً" نیک انجام انہی لوگوں کے لئے ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں" (۱۱: ۴۹)۔

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر اختیار کرو اور صبر میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اور مقابلہ کے لئے تیار رہو اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ" (۳: ۱۸۹)

استقامت کا جوہر آپؐ نے اپنے پیروؤں کے اندر یہاں تک پیدا کیا کہ ان کو تمام مشکلات ہیچ معلوم ہونے لگیں۔ بارہا دشمن بڑے بڑے جرار لشکر ان کی تعداد سے تگنے چگنے اور دس گنے لشکر لے کر ان پر حملہ آور ہوا مگر وہ اپنی جگہ پر مضبوط کھڑے رہے اور کوئی طاقت ان کو مرعوب نہ کر سکی۔

انگریزی سے ترجمہ

# بے نظیر روحانی انوار کا الٰہی سرچشمہ ---۱

## حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

شیخ غلام ربانی ایم اے، ایل ایل بی

## باب اول۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی پاکیزگی اور رفعت

انسانوں کی تخلیق کے ساتھ ہی خدا تعالیٰ نے انسانوں کی راہنمائی کے لئے اپنے چنے ہوئے اور برگزیدہ بندوں کو جنہیں نبی اور رسول بھی کہتے ہیں، بھیجنے شروع کر دیئے تھے۔ ان برگزیدہ بندوں کا مشن یہ ہوتا تھا کہ بنی نوع انسان کو توحید کی روشنی میں لائیں انہیں ایک خدا کی بندگی کی تعلیم دیں اور انسانوں کے درمیان عدل و انصاف کو رواج دیں۔ "اس نے انسانوں کو اس لئے بنایا تھا کہ انسان اسے یعنی خدا کو شناخت کرے۔ اس نے چیدہ بندوں کو اس کام کے لئے مامور کیا کہ وہ خدا اور بندے کے درمیان واسطہ بن جائیں، ان کے ذمہ یہ کام بھی تھا کہ وہ اپنے جیسے بندوں یعنی بنی نوع انسان کو یہ بتائیں کہ بھلائی کا مطلب کیا ہے اور برائی کسے کہتے ہیں اور انہیں اس پر آمادہ کریں کہ وہ صراط مستقیم کو پہچانیں" (ابن خلدون)۔

خدا نے نبیوں اور رسولوں کو ہر قوم میں مختلف زمانوں میں بھیجا کہ وہ گمراہ انسانوں کو راہ راست پر لائیں: "ہم نے (اس سے پہلے بھی) اپنے رسولوں کو کھلی کھلی نشانیاں دے کر بھیجا اور ان کے ساتھ میزان اور کتاب نازل فرمائی (جو خیرو شر کی نشاندہی کرتی تھی) کہ انسان عدل اور انصاف پر قائم ہو سکیں (قرآن مجید ۵۷:۲۵)۔

"اور ہم نے یقیناً" ہر قوم میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچو" (قرآن مجید ۱۶:۳۵)۔

اس طرح خدا کے سچے نبی دنیا کے تمام ملکوں اور قوموں میں آتے رہے لیکن ہر نبی کی تعلیم اسی قوم اور اسی علاقے سے متعلق ہوتی تھی۔ اس طرح الٰہی تعلیم جو حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے انسانوں کو دی گئی ہے وہ تمام زمانوں اور مکانوں کے لئے ہے۔ اس لئے وہ تمام الٰہی صفات کا امتزاج بھی ہے اور اس منصوبے کا بیان بھی جو اس وحی کے ذریعے ظاہر کیا گیا ہے اور یوں وہ باتیں جو آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی تھیں وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کے ساتھ ہی مکمل کر دی گئیں اور ان کو دوام بخشا گیا کہ وہ تمام نوع انسانی کے لئے وحدت بخش ہوں گی جیسے ایک اطالوی دانشور فرزجوف شووان نے (Frithjof Schuon) نہایت خوبصورت الفاظ میں اختصار سے بیان کیا ہے:-

"وہ حسن جس کا قرآن یہ کہہ کر مدعی ہے کہ وہ آخری وحی اور نبوت اور رسالت کے دائرے کی تکمیل ہے، نہ صرف اس کا خارجی طور پر عقیدے کی سادگی کا بیان ہے بلکہ داخلی طور پر اس درجہ کی صلاحیت کا حامل ہے کہ تمام انسانوں کو آپس میں اس طرح جوڑ دے کہ ان کے ایمان کا ایک انتہائی غیر متزلزل اور باہم اٹوٹ رشتہ قائم ہو جائے جو متاثر کن حد تک نبی کی نیم الٰہیاتی اور نیم دنیاوی ہستی کا عکس بن کر ویسی ہی مرکز سے دور بھی شدت سے ظاہر ہو جس طرح کہ مرکز میں" (انگریزی ترجمہ، اسلام کی تفہیم ص ۱۰۵)

یہ خدا تعالیٰ کی لامتناہی دانش کا کمال ہے کہ اس نے عربوں کی سرزمین کو اپنا آخری نبی بھیجنے کے لئے چنا۔ عرب کی سرزمین اس وقت جغرافیائی طور پر دریافت شدہ دنیا میں اور ہمعصر تہذیبوں کے مرکز میں

تھی۔ نبیؑ کی پیدائش اور اسلام کے ظہور نے اس کو دنیا کے مرکز میں ایک روشن چراغ بنا دیا۔

وہ دنیا اس وقت ایک اتھاہ تاریکی میں گھری ہوئی تھی۔ قرآن مجید میں پیغمبر کو ایک روشنی پھیلانے والا چراغ کہا گیا ہے تو یہ تعجب کی کوئی بات نہیں (۳۳ : ۴۶)۔ جہاں تک عربوں کا تعلق ہے کوئی قوم بھی اس وقت اس کی اہل نہ تھی کہ وہ وہ کام کر سکتی جو پیغمبر کو تفویض کیا گیا تھا۔ ہزاروں سال سے کوئی خدا کا پیغمبران میں مبعوث نہ ہوا تھا اور بے دین عرب اپنی جاہل روایات اور تواہم میں اس طرح ڈوبے ہوئے تھے کہ ان کو ایک مہذب انسان بنانا کسی معمولی آدمی کا کام نہ تھا۔ ان کی زندگی ایک وحشی کی زندگی تھی اور ان کے سب رویے درندگی سے بھرے ہوئے تھے۔ وہ زنا کاری کو فخر کا عمل سمجھتے تھے لوٹ مار ان کا نصب العین تھا۔ قتل و بدکاری ان کی عادت ثانیہ بن چکے تھے۔ قمار بازی کا عمل ان کے لئے باعث وقار سمجھا جاتا تھا۔ محض ایک جہالت کے تصور کے سبب وہ اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے کہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ کوئی ان کا داماد بنے یا کہلائے۔ وہ اپنی سوتیلی ماؤں سے اپنے والد کی وفات کے بعد شادی کر لیتے تھے۔ وہ روز مرہ کے کھانے پینے اور لباس و پوش اور صفائی و ستھرائی کے بنیادی آداب سے بھی قطعی نابلد تھے۔ جہاں تک ان کے مذہبی رجحانات کا تعلق ہے۔ وہ بھی ان تمام برائیوں سے الجھے ہوئے تھے جن میں تمام دنیا کے لوگ پھنسے ہوئے تھے۔ وہ شجر، حجر، دریا و کوہسار ہر شے کی سوائے خدا کے پرستش کرتے تھے۔

اس کے باوجود یہی لوگ تھے جن کو تہذیب کی برائیوں نے چھوا تک نہ تھا۔ وہ بہادر، نڈر، جری، سخی، باوفا اور فرد کی آزادی کے اس قدر دلدادہ تھے کہ وہی ہو سکتے تھے جو اسلام کے پیغام کی اشاعت کے حامل ہو سکیں۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ عربی زبان بلند آدرشوں اور افراد کے مسائل کی نزاکتوں اور لطافتوں کو بیان کرنے کی جو صلاحیتیں رکھتی ہے خدا تعالیٰ کی مشیت کے مطابق انسان کو ڈھالنے کے لئے بے حد موزوں ہے۔ چھوٹے چھوٹے جملے اور ضرب الامثال اس زبان میں معانی کی ایک دنیا اور خیالات کے اتھاہ سمندر رکھتی ہیں۔ اس کی اصوات کا نظام اور لفظوں کی آہنگ انسانوں کو جس طرح رفعت کی بلندیوں پر پہنچاتا ہے یہ قوت کسی اور زبان میں دیکھنے میں نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ کے آفاقی پیغام کو الفاظ کا جامہ پہنانے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی زبان موزوں نہیں ہو سکتی تھی۔

اسی لئے مقدس نبیؑ کو پوری دنیا کے لئے اتالیق اور راہنما بنا کر بھیجا گیا۔ نبی اکرم صلعم کی کامیابیوں کا جب ان نبیوں کی کامیابیوں سے موازنہ کیا جائے جو ان سے پہلے آئے تھے تو یہ نہ صرف عظیم الشان ہیں بلکہ یکتا بھی ہیں۔ انہوں نے خیر کو ایسے بلند مقام پر پہنچا دیا اور اپنے ماننے والوں کی اس درجہ اور مکمل اصلاح کی کہ وہ دوسروں کے لئے نمونہ بن گئے۔ وہ اخلاق اور پاکیزگی میں دوسروں کے لئے راہنما بن گئے۔ اس مقدس نبیؑ کے ذریعے خدا نے جو ہدایت نازل فرمائی وہ اپنی اس انتہا کو پہنچ گئی کہ کسی اور ہدایت نامہ کے نزول کی ضرورت ہی نہ رہی کیونکہ خدا تعالیٰ نے مذہب اور دین کو مکمل اور پورا کر دیا اور کہہ دیا کہ الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا (۵:۳)

"آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تمہیں پوری پوری دیدی ہے اور تمہارے لئے اسلام بطور دین پسند کیا ہے۔"

اسلام انسانی تاریخ میں اس دور کا آغاز کرتا ہے جب انسان اپنی سن بلوغت کی منزل کو پہنچ گیا تھا جس طرح ایک فرد بلوغت کی منزل کو پہنچ جاتا ہے جب اس کو خیر و شر کی شناخت کرنے کا شعور آ جاتا ہے۔ مزید برآں یہ بھی خیال رہے کہ قرآن اپنے آپ کو الفرقان بھی کہتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب اچھے اور برے، صحیح اور غلط کے درمیان پہچان اور فرق کرنے میں مدد دیتی ہے۔

محمد رسول ﷺ کے بارے میں قرآن مجید یوں توثیق کرتا ہے :-

"یقیناً" تمہارے لئے رسول اللہ میں بہترین نمونہ ہے ان کے لئے جو اللہ سے ملاقات کی امید رکھتے ہیں اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور اللہ کو بہت یاد کرتے ہیں" (۳۳:۲۱)۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے ایک مخلص انسان کی طرح اچھی زندگی گذاری۔ حضرت عائشہؓ سے جب یہ پوچھا گیا کہ وہ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے متعلق کچھ بتائیں۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ حضورؐ کا اخلاق اور رویہ وہی تھا جو قرآن مجید میں بیان ہوا ہے۔

آپؐ کی زندگی کا ریکارڈ آپؐ کے رویے اور اخلاق پر روشنی ڈالنے کے لئے کافی ہے۔ جس میں ایک یتیم بچہ' ایک محبت کرنے والا خاوند' ایک شفیق باپ' ایک باوقار دوست' ایک اچھا ہمسایہ' ایک دیانتدار تاجر' ایک ستم رسیدہ مہاجر' ایک بہادر مجاہد' ایک قابل اور باصلاحیت فوجی قائد' ایک باوقار فاتح' ایک غیر جانبدار جج' ایک کامیاب سیاستدان' ایک متوازن مقنن اور سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کا ایک غیر متزلزل بندہ اور خدا کی کتاب کا ایک مجسم شارح۔ یہ سب پہلو ان میں یکجا نظر آتے ہیں۔ وہ تمام صفات جو قرآن نے ایک خدا رسیدہ انسان کی بیان کی ہیں' وہ سب ان میں مجسم موجود تھیں۔ اگر قرآن مجید اعلیٰ اخلاق کی کتاب ہے تو نبیؐ ان اخلاقیات کا عملی اظہار تھے۔ پیغمبر اسلام ایک بشر اور رسول ہونے کی حیثیت سے انسانوں کے لئے نمونہ ہیں۔ قرآن مجید بار بار اس پر اصرار کرتا ہے اور کئی مرتبہ اس بات کو دہراتا ہے کہ محمدؐ اور لوگوں کی طرح ایک انسان کے سوا کچھ نہیں ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ ایک فرشتہ حکم خداوندی سے ان پر وحی لاتا ہے۔

"کہہ دیجئے میں کوئی نیا رسول نہیں اور میں نہیں جانتا کہ مجھ سے کیا سلوک ہوگا اور تم سے کیا ہوگا میں تو صرف اس کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے اور میرا کام تو اعلانیہ لوگوں کو آگاہ کرنا ہے" (۴۶:۹)۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک انسان ہونے کے سوا کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ انہوں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ دیوتا ہیں۔ یا خدا کی ہی کوئی قسم ہیں یا ابن اللہ ہیں یا کوئی خدا کا روپ ہیں' یا اوتار ہیں۔ ہاں وہ ایک انسان ہیں جو انسانوں کو متحد کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں اور یہ ان کا پسندیدہ مشن بھی ہے کہ وہ انسانوں کو توحید اور ایک نظام اخلاق پر متحد کر دیں۔ وہ اپنے آپؐ کو خدا کا ایک رسول ہی یقین کرتے تھے اور ان کا ہر عمل اس بات کی گواہی دیتا تھا۔

اس مقصد وحید کے لئے انہوں نے بہت اذیتیں بھی سہیں اور اس راہ میں جان توڑ محنت کی کہ یہ پیغام دنیا تک پہنچ جائے۔ انہوں نے معجزوں پر انحصار نہیں کیا کہ وہ اس طرح لوگوں کو متاثر کریں یا ایک ڈرانے والے کے کردار کو ان سے تقویت پہنچائیں۔ "محیرالعقول طاقتوں سے اپنے آپ کو مبرا گردانتے ہوئے پیغمبر اسلام نے اپنے آسمانی مشن کو محض تعلیمات کے ذریعے سمجھانے کی کوشش کی" (روح اسلام مصنفہ سید امیر علی ص ۳۲)۔ ایک صحیح حدیث کی روایت کے مطابق جب پیغمبرؐ کے فرزند ابراہیم کا انتقال ہوا تو صحابہؓ میں سے بعض نے اس دن سورج گہن لگنے پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی کہ فطرت بھی نبیؐ کے بیٹے کے غم میں شرکت کر رہی ہے۔ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیروؤں کو صاف صاف کہہ دیا کہ چاند اور سورج خدا کے احکامات کے تابع ہیں۔ اس لئے ان کے گہنانے کو نبیؐ کے بیٹے کی موت سے متعلق نہ کرو۔

تو یہ ہے وہ عظیم رسولؐ جو نہ صرف معجزنمائی میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتا بلکہ ان کا نہ دکھانا اس کے لئے دوسرے نبیوں میں طرۂ امتیاز بن گیا۔ لیکن کیا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیچھے دو عظیم معجزے نہیں چھوڑے جو اسؐ کے سچے نبی ہونے کے دعویٰ کی گواہی دے رہے ہیں۔ یہ خارجی معجزات جو ساری

انسانیت کی راہنمائی کے لئے بطور رہبر کام آتے رہیں گے ـــــ آپؐ کی عظیم اور غیر معمولی پاکیزہ زندگی اور وہ عجیب و غریب کتاب جو ان کی طرف وحی کی گئی۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غریب اور امداد سے تہی انسان تھے جو بہت دنوں تک لوگوں کی نفرت کو خندہ پیشانی کے ساتھ بے غرضانہ طور پر سہتے رہے۔ ان کو تھپڑ مارے گئے ان پر جانوروں کی گند بھری آنتیں پھینکی گئی جب وہ سجدہ میں مصروف عبادت تھے۔ لیکن جب آخر کار لوگوں پر ان کو فتح نصیب ہوئی اس وقت بجائے اس کے کہ وہ اپنے دشمن کو غلام بنا لیتے۔ انہوں نے یہی کہا کہ لوگو کائنات کے مالک اور خالق کے آگے سربجود ہو جاؤ آج تم پر کوئی الزام نہیں۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ محمد رسول اللہؐ ان پڑھ امی نبی تھے۔ انہوں نے کسی درس گاہ میں تعلیم حاصل نہ کی تھی اور ان کے اردگرد تمام جہالت اور توہم پرستی ہی تھی۔ اس کے باوجود انہوں نے انسانوں کو ایک ایسی عظیم کتاب دی جو عظیم خیالات، تصورات اور آدرشوں سے بھری ہوئی ہے۔ اس میں زندگی بنانے کے اصول ہیں وہ دعا اور اخلاقیات کے ذکر سے بھری ہوئی ہے اور اس وجہ سے وہ آج تک لوگوں میں عزت کے ساتھ قائم ہے اور بہت لوگ اس کے ادبی اعجاز اور پیغام کی پاکیزگی اور صداقت کی گواہی دیتے ہیں ـــ کیا یہ کسی معجزے سے کم بات ہے؟

## رحمتہ للعالمین

کاروان تاریخ میں انسانیت کو اس سے بڑی عزت کبھی نہیں ملی ہوگی جتنی محمد رسول اللہ ﷺ کے ظہور سے اسے حاصل ہوئی ہے۔ ان کے مشن کو خود اللہ تعالیٰ نے رحمت قرار دیا ہے:

وما ارسلناک الا رحمتہ للعالمین (۲۱:۱۰۷)

"ہم نے تجھے تمام قوموں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔" یہ ہے وہ رحمت اور نرمی جس کی آج انسانیت کو حقیقتاً ضرورت ہے کہ وہ اپنے آپ کو اوپر اٹھا سکے، سنوار سکے اور سیدھی راہ پر گامزن ہو سکے۔ انہوں نے اپنے تمام وعظ، نصائح اور تعلیم میں یہی تلقین کی۔ لوگو آپس میں رفق اور ملائمت سے رہو اور اس پر عمل کر کے بھی دکھا دیا کہ رحمدلی، نرمی، عدل اور انصاف کیا ہوتے ہیں۔ یہ ان کا عملی نمونہ ہی تھا جس کی وجہ سے قرآن مجید کی عدل اور رحم کی ہدایات کا لوگوں پر بھرپور احساس ابھرا اور اسلام کے اشد ترین دشمن بھی بالآخر مسلمان ہوگئے۔ خالد بن ولید، عکرمہ بن ابوجہل جو اسلام کے خونی مخالف تھے اس کے آگے جھک گئے اور وحشی جس نے ہندہ ابو سفیان کی بیوی کے کہنے پر جنگ احد میں حضرت حمزہؓ کو جو حضور نبی اکرم ﷺ کے دودھ شریک بھائی اور اسلام کے لئے بہت تقویت کا باعث تھے شہید کیا اور ان کے جسم سے ان کا جگر نکلوا کر چبایا۔ اسے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت نفرت تھی۔ لیکن جب مسلمان ہوگئیں تو حضور ﷺ نے اسے بھی معاف کر دیا۔ یہ حضور نبی اکرم ﷺ کا عمل ہی تھا کہ توحید کا بیج سرزمین عرب میں پرورش پا گیا۔ یہ ان کا رحمت سے بھرپور عمل، توحید پر اصرار اور خالص خدائے واحد کی تبلیغ کا نتیجہ تھا کہ خدائے واحد کی عبادت زندہ اور پائندہ ہوگئی۔ اسلامی توحید کا تصور اس عظیم بنیاد پر قائم ہے جس کی گونج نبی اکرم ﷺ کی وحی سے سورۃ اخلاص میں لوگوں کو سنائی گئی کہ "کہہ دو اللہ ایک ہے اور وہ بے نیاز ہے نہ وہ کسی سے ہوا ہے اور نہ اس نے کسی کو جنا ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں" (۱۱۲:۱-۴)

زمانہ قبل از اسلام میں مذہبی نظریات اور اعتقادات توہم پرستی پر مبنی تھے اور انسان اپنے آپ کو فطرت کے مظاہر کی پوجا کر کے تذلیل کر رہا تھا اور فانی اشیاء کی تقدیس کرتا تھا اس نے ایسے عقائد بنا رکھے تھے جو انسان کو زیب ہی نہ دیتے تھے وہ جن و شیاطین سے خواہ مخواہ میں خائف تھا۔

یہ محمد رسول اللہ ﷺ ہی تھے جنھوں نے مذہب کو ایک پائیدار بنیاد فراہم کی اور لوگوں کو سکھایا کہ انسان فطرت کی طاقتوں کو مسخر

کرنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں نہ کہ ان سے خوف کھا کر ان کی عبادت کریں۔ اس طرح انہوں نے موجودہ سائنسی دور کا آغاز کیا۔ یہ انہی کی تعلیم کا اثر ہے جس نے انسانوں کو بزدلی' خوف اور تشکیک سے نجات دلا کر ان میں خوداعتمادی' جرات اور عقلمندی پیدا کر دی۔ اور یہ کہ انسان فطرت کے مظاہر سے خوف کھا کر ان کے آگے جھکنے کی بجائے ان مظاہر کے خالق یعنی اللہ کے آگے جھکے جو ان سب کا مالک ہے۔ ایسے خدا کو پہچاننا جو تمام اشیاء کی ربوبیت کرتا ہے اور ان کو فنا بھی کر سکتا ہے انسان کے اندر انتہا درجے کی خود اعتمادی اور عزت نفس پیدا کر دیتا ہے۔

خدا تعالیٰ کی توحید کا ایک لازمی نتیجہ نوع انسان کی وحدت ہے "اللہ تعالیٰ کو تمام کائنات کا حاکم اعلیٰ ماننے سے یہ لازم آتا ہے کہ تمام نوع انسانی کی وحدت کو بھی تسلیم کیا جائے" (اسلام کا ثقافتی پہلو از محمد مارماڈیوک پکتھال ص ۲۲)۔ قرآن مجید بار بار کہتا ہے کہ انسانوں میں ایک ہی روح جاری و ساری ہے۔ یہ وہ دوسری رحمت ہے جو پیغمبر اسلام نے لوگوں کو مہیا کی ہے۔ جب انہوں نے فرمایا کہ لوگو تمہارا خدا ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے کیونکہ تم آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنایا گیا تھا۔ دیکھو تم میں سے عزت دار وہ ہے جو خدا تعالیٰ کے احکام پر زیادہ چلنے والا ہو۔ اس لئے کسی عرب کو غیر عرب پر اور نہ کسی غیر عرب کو عرب پر کوئی فوقیت حاصل ہے سوائے دینداری اور تقویٰ کے۔" یہ اعلان حضرت نبی اکرم ﷺ نے اپنے الوداعی اور آخری حج کے موقعہ پر ایک لاکھ چوبیس ہزار کے مجمع میں کیا تھا۔

اس اعلان نے دو اصولوں پر مہر ثبت کر دی اور وہ اصول ہیں خدا تعالیٰ کی توحید اور نسل انسانی کی وحدت۔ ہر چند کہ وہ خود عرب تھے انہوں نے کہا کہ عربوں کو غیر عربوں پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ اس طرح انہوں نے نسل پرستی' رنگ اور امتیازات کے بت توڑ دیئے۔ انہوں نے اپنے لوگوں کو سرزنش کی کہ وہ انسانوں کو لونی' لسانی اور نسلی گروہ بندیوں میں نہ تقسیم کریں۔ ان کے صحابہ میں ہر قسم کے لوگ تھے جو مختلف قوموں اور طبقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ ان میں حضرت بلالؓ تھے جو ابی سینا کے حبشی تھے۔ حضرت صہیب تھے جو روم کے تھے۔ حضرت سلمانؓ تھے جو فارس کے تھے۔ مسلمانوں کے حج کا اجتماع ہر سال اس عمل کا زندہ ثبوت ہے جو نبیؐ نے نوع انسان کو یکجا کرنے کے لئے کیا تھا۔ کوئی دوسرا فرد اپنی دولت کے باعث اپنی فوقیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ صرف وہی فائق ہے جو متقی ہو۔ یعنی اپنے آپ پر قابو پانے کی صلاحیت رکھتا ہو اور سیدھے راستے پر گامزن ہو۔ راستبازی اور پاکیزگی نفس کی نفی سے حاصل ہو سکتی ہے' نفس کی غلامی سے نہیں۔ یہ زندگی کی نفی نہیں بلکہ زندگی کا اقرار ہے۔

راستبازی اور پاکیزگی کا ذکر نبی کریم ﷺ کے ذریعے زندگی کے ایک اور مفید نتیجہ کے حصول کا حوالہ بنتا ہے اور وہ ہے مادہ اور جوہر کی وحدت' دین اور دنیا کی ثنویت کی نفی۔ اسلام میں روح اور بدن کا کوئی تضاد نہیں کیونکہ جسمانی خواہشات انسان کی فطرتی اکائی کا حصہ ہیں۔ وہ کسی پیدائشی یا موروثی گناہ کا نتیجہ نہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ مثبت قوتیں ہیں جن کو اسی طرح قبول کرنا چاہیئے اور عقلمندی اور اعتدال کے ساتھ استعمال کرنا ہوگا تاکہ انسان کو روحانی رفعت حاصل ہو سکے۔ اسلام میں پاکیزگی کا تصور یہ نہیں کہ جسم کی خواہشات کو دبا دیا جائے۔ نہیں بلکہ ان کو روح کے تقاضوں سے مربوط کیا جائے تاکہ وہ زندگی کی تکمیل اور تسکین کے لئے نتیجہ خیز بن جائیں۔ یہی تقدیس کا مقام ہے جس کا حاصل کرنا انسانی زندگی کا اصل مقصد ہے۔

حضرت نبی اکرم ﷺ نے خاص طور پر اس بات کا تذکرہ فرمایا کہ رہبانیت یا خشک روحانیت اسلام نہیں ہے۔ جب ایک صحابی نے آپؐ سے پوچھا کہ کیا وہ دن کے وقت روزہ رکھیں اور رات کو عبادت کرتے رہیں تو حضورؐ نے فرمایا تم ایسا نہیں کر سکتے۔ کبھی کبھی روزہ رکھ لیا کرو اور پھر کبھی روزے کے بغیر بھی رہو۔ اسی طرح

عبادت بھی کرو اور اپنے بستر پر بھی جاؤ کیونکہ تمہارے جسموں کا بھی تم پر حق ہے۔ اسی طرح تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے۔ اسی طرح تمہاری بیویوں کا بھی تم پر حق ہے اور تمہارے مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے۔ نبی کریم ﷺ کی پسندیدہ دعا یہ تھی ”خداوند ہمیں اس دنیا میں بھی حسنہ (یعنی اچھی چیزیں) دے اور آخرت میں بھی حسنہ عطا فرما (۲: ۲۰۰)۔ یوں اس دنیا کی اچھی چیزیں اور دوسری دنیا کی اچھائیاں مانگی گئی ہیں کس طرح؟ اس دنیا میں عمل کر کے نہ کہ عمل سے اجتناب کر کے۔

ایک بہت بڑا احسان جو نبی اکرم ﷺ کے توسط سے انسانیت پر ہوا ہے وہ عورت کی آزادی ہے۔ ”یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ اسلام کا آخری پیغمبر دنیا کا سب سے عظیم نسوانی آزادی کا علمبردار ہے جسے دنیا نے کبھی دیکھا ہو“ (پکھتال' اسلام کا ثقافتی پہلو ص ۱۴۸)۔ ایک ایسی دنیا میں جہاں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا جاتا تھا اور عورتوں کو جانوروں سے بھی بدتر حالت میں رکھا جاتا تھا۔ یا انہیں جائیداد سمجھا جاتا تھا۔ آپؐ نے انہیں اتنا اوپر اٹھایا جس سے زیادہ صرف نظریاتی طور پر ہی بیان کیا جاسکتا ہے۔ صرف ایک ہی جملے سے یہ انقلاب عظیم پیدا کیا گیا کہ عورت انسانی اکائی کا نصف آخر ہے۔ یعنی مرد کا نصف آخر ہے۔ خدا کے رسول نے عورت کو ذلت کی اتھاہ پستی اور بے عزتی سے اٹھا کر عزت اور عظمت کی اس جگہ پر جابٹھایا جس کا تصور اس دور میں بھی بہت سے معاشروں میں نہیں کیا جاسکتا۔ آپؐ نے عورت کے حقوق قائم کئے۔ عورتوں کو تعلیم اور آزادی کے نعرے دیئے جن سے آج کی فضا پھٹی پڑ رہی ہے۔ یہ ایک ہلکی سی گونج اس بانگ کی ہے جو حضرت نبی اکرم ﷺ نے بلند کی تھی کہ عورت اور مرد ایک جوہر کے دو اقنوم ہیں۔

اس طرح آپؐ نے ایک جنبش لب سے عورت پر فطرۃ ”بدکار' مفتن اور ناپاک ہونے کے جو داغ اور بدنی دھبے دنیا کے بعض معاشروں میں لگائے جاتے تھے وہ دھو ڈالے۔ ”وہی (خدا) ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور تمہارے زوج بھی تمہاری طرح کا بنایا تاکہ تم اس کے ساتھ پیار سے معاشرت کر سکو“ (۷: ۱۸۹)۔

قرآن مجید میں ہم ایسے جملوں کا تکرار پاتے ہیں کہ ماننے والے اور ماننے والیاں۔ یعنی متواتر مرد اور عورت کا باہم مربوط تذکرہ پاتے ہیں۔ جہاں تک ان کے حقوق اور فرائض کا تعلق ہے وہ ذاتی طور پر ایک ہی مرتبے کے حامل ہیں۔

قرآن مجید کے احکام اور قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی زندگیاں اس بات کی گواہ ہیں کہ عورت مرد سے کمتر نہیں اور وہ اسی طرح زندگی کے لئے اہم ہے جس طرح کہ مرد۔

عورت کا مقام و مرتبہ اسلام میں منفرد اور یکتا ہے جس کی مثال دوسرے نظاموں میں نظر نہیں آتی۔ نبی کریم ﷺ کی تعلیمات میں یہ بات نہایت واضح طور پر نظر آئے گی کہ انہوں نے تعلیم کے حصول پر بہت زور دیا ہے۔ پہلی وحی میں ہی یہ ترغیب آغاز کلام کے طور پر بیان کی گئی ہے۔ جب یہ کہا گیا کہ اقراء' یعنی پڑھ اپنے رب کے نام سے' جس نے تجھے پیدا کیا (۹۶:۱)۔

قرآن مجید غور و فکر کرنے کی ترغیبات سے بھرا پڑا ہے۔ جس سے انسان کے اندر معقولیت اور تجزیہ کرنے کی صلاحیت بیدار ہوتی ہے۔ امام غزالیؒ نے اپنی تصنیف ”جواہر القرآن“ میں لکھا ہے کہ قرآن مجید میں ۷۶۳ آیات علم کے بارے میں یا اس سے متعلق ہیں۔

ساری کائنات ایک اکائی ہے اور انسان کو کہا گیا ہے کہ وہ اس کا مشاہدہ کرے اور دن و رات کے آنے جانے سے اور حیات و موت کے اسرار سے سبق حاصل کرے۔ زمین اور ہوا' آگ اور پانی کے خواص جانے۔ یہ اس دعوت ہی کا تکرار تھا کہ مسلمان روحانی اور دنیاوی علوم کی ترویج و ترقی کے علمبردار بن گئے جس سے اسلام کا سنہری زمانہ وجود میں آیا۔ یہ اس وقت ہوا جب یورپی ممالک جہالت کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے لیکن عرب سائنس کی عظیم مملکت کے مہم جو اور ہادی بن کر آگے بڑھے اور انہوں نے سائنسی تحقیق

اور تفتیش کی بنیادیں مستحکم کیں۔ اس سلسلہ میں یورپ کا ایک عظیم سائنسدان جان ڈیون پورٹ (John Daven Port) لکھتا ہے :۔

''اس بات کا اقرار کرنا چاہیے کہ علوم چاہے طبیعات' فلکیات' فلسفہ یا ریاضی ہوں جو دسویں صدی میں یورپ میں ترویج پائے اصلاً'' ہسپانیہ کی درس گاہوں سے شروع ہوئے تھے۔ اس طرح اہل سپین نے یورپین فلسفہ کے کو جنم دیا۔''

برٹرن رسل (Bertrand Russel) معروف برطانوی فلاسفر لکھتا ہے۔

''مشرق کا تفوق صرف عسکری طور پر ہی نہیں تھا بلکہ سائنس فلسفہ' شہریت اور دیگر فنون اسلامی دنیا میں اس وقت عروج پر تھے جب یورپ جہالت میں ڈوبا ہوا تھا۔ یورپین اس دور کو ناقابل معافی ڈھٹائی سے عہد مظلمہ یعنی تاریکی کا دور کہتے ہیں۔ تاریک یہ ضرور تھا لیکن صرف مسیحی یورپ کے لئے۔ ہسپانیہ جو مسلمانوں کے زیر نگیں تھا اس میں ایک درخشاں تمدن چمک رہا تھا۔''

مسلمانوں نے ایک نہایت ہی قلیل مدت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے ذریعہ مشرقی اور مغربی اقوام پر اپنی برتری حاصل کرلی تھی۔ جہاں بھی وہ گئے انہوں نے قرآنی قانون سے حکمرانی کی' تعلیم کے مراکز قائم کئے اور سپین میں قرطبہ کی یونیورسٹی کھولی اور اسی طرح دیگر جگہوں پر بھی انہوں نے جامعات کا اجراء کیا۔ انہی کی تعلیم سے توہم پرست' جاہل اور اکھڑ وحشی عرب امن' اخلاق' عقل اور تہذیب کے علمبردار بن گئے۔ کیا تاریخ میں اس طرح کا کوئی اور بھی عظیم انسانی مظاہرہ دنیا نے دیکھا۔

چودہ سو سال گزرنے پر بھی حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کسی ادنیٰ نقصان یا تحریف کے بغیر موجود ہیں۔ وہ اب بھی کامیابی کی امید دلاتی ہیں۔ وہ اب بھی انسانوں کی بے شمار بیماریوں کا علاج ہو سکتی ہیں۔ بالکل اس طرح جیسے امتوں نے اس زمانے میں کیا جب نبیؐ خود زندہ موجود تھے کیونکہ حقیقتاً'' وہ خدا کے آخری رسولؐ ہیں۔ یہ صرف ان کے متبعین کا دعویٰ ہی نہیں بلکہ یہ ایک ناقابل مزاحمت نتیجہ ہے جو تاریخ کے معروضی اور غیر جانبدارانہ مطالعہ سے نکلتا ہے۔

اس سلسلہ میں اپنی میری شمل جو جرمنی میں اسلامیات کی ایک سکالر ہیں ان کے الفاظ غور کے قابل ہیں :۔

''نبیوں کی زنجیر جو ابوالبشر آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی تھی محمدؐ اس کے آخری حلقہ تھے جن پر وہ آخری وحی نازل ہوئی جس نے پہلی وحیوں کو خلاصتہ اپنی اصل حالت میں دہرایا'' (محمدؐ اللہ کے رسول ص ۴)۔

(جاری ہے)

# خطبہ عیدالاضحیٰ ـــــ اپریل ۱۹۹۶ء

## ناصر احمد -- بی اے ' ایل ایل بی

آج ساری امت مسلمہ عیدالاضحیٰ یعنی قربانی کی عید منا رہی ہے۔ اس تہوار کو عیدالاضحی بھی کہا جاتا ہے جس کے معنی ہیں قربانیوں کی عید۔ اس کا عام مفہوم تو یہ ہے کہ اس دن بے شمار قربانیاں دی جاتی ہیں لیکن اس میں ایک اہم اور تاریخی بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ عید صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی یادگار ہی نہیں بلکہ اس میں حضرت ابراہیمؑ اور حضرت حاجرہ کی قربانیاں بھی شامل ہیں۔ پہلے حضرت ابراہیمؑ نے خدا تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اپنی بیوی حضرت حاجرہ اور دودھ پیتے اکلوتے بچے کو شام کی سرسبز سرزمین کو چھوڑ کر مکہ کی بے آباد زمین میں چھوڑ دیا جہاں پانی تک موجود نہ تھا۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ اس موقع پر یہ دعا فرماتے ہیں۔ "اے ہمارے رب میں نے اپنی کچھ اولاد کو تیرے عزت والے گھر کے پاس اس وادی میں بسایا ہے جہاں سبزہ نہیں ہے۔ اے ہمارے رب تاکہ وہ تیری عبادت کریں۔ سو تو کچھ لوگوں کو ان کی طرف مائل کر دے اور ان کو پھلوں سے رزق دے' تاکہ وہ شکر کریں" (۳۷:۱۴)۔ حضرت ابراہیمؑ کی اس دعا کے ہر لفظ سے ظاہر ہے کہ اس وقت انتہائی بے سروسامانی کا عالم تھا۔ چنانچہ جب حضرت ابراہیمؑ ان پریشان کن حالات میں چھوڑ کر جانے لگے تو حضرت حاجرہ نے ان سے پوچھا کہ ہمیں کس کے حکم سے چھوڑ کر جا رہے ہیں تو آپؑ نے جواب دیا' خدا کے حکم سے۔ اس پر حضرت حاجرہ کا ایمان پرور جواب تاریخ میں محفوظ ہے کہ انہوں نے فرمایا تو پھر خدا ہمیں کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ ایک طرف حضرت ابراہیمؑ کی فرمانبرداری کا یہ عالم ہے کہ وہ خدا کے حکم کے تحت اپنی بیوی اور شیر خوار بچے کو ویران جگہ میں چھوڑ کر جا رہے ہیں اور دوسری طرف حضرت حاجرہ کے خدا پر بھروسہ کی یہ کیفیت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ خدا ہمیں کبھی ضائع نہیں کرے گا۔ خدا کے حکم کی تعمیل میں جذبہ قربانی کے یہ دونوں کیسے عظیم الشان نمونہ ہیں۔ جب حضرت ابراہیمؑ چھوڑ کر چلے جاتے ہیں تو حضرت حاجرہ کو چھوٹے بچے کے لئے پانی کی فکر ہوتی ہے۔ دونوں طرف دو پہاڑیاں صفا اور مروہ ہیں آپ پانی کی تلاش میں کبھی دوڑ کر ایک پہاری پر چڑھتی ہیں اور کبھی دوسری پر تاکہ انہیں اونچائی سے دور کہیں پانی کا نشان مل سکے۔ پریشانی کے اس عالم میں آپ نے صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان کئی چکر لگائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آئی اور جس جگہ حضرت اسماعیلؑ لیٹے ہوئے ایڑیاں رگڑ رہے تھے وہاں زمزم کا چشمہ جاری ہو گیا۔ صفا اور مروہ پہاڑیوں کے درمیان حضرت حاجرہ کے بار بار دوڑنے کی خدا تعالیٰ نے یہ قدردانی فرمائی کہ اس کو حج کا لازمی جزو بنا دیا۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم' آپ کے صحابہ اور اس وقت سے لے کر اب تک ہر حاجی حضرت حاجرہ کے قدم پر قدم چلنے کو اپنی سعادت سمجھتا اور اس سعی کے دوران خدا سے اپنے گناہوں کی بخشش مانگتا اور نیکی کی راہوں پر چلنے کی توفیق کے لئے دعائیں کرتا ہے۔

ابھی ہم نے حضرت ابراہیمؑ کے حضرت حاجرہ اور ان کے شیر خوار بچے حضرت اسماعیلؑ کے کعبہ کے پاس چھوڑ کر جانے کا ذکر کیا۔ پھر حضرت حاجرہ کا اس بچے کی پرورش کے لئے جن مشکلات کا سامان کرنا پڑا ان کی بھی کچھ جھلک دیکھی۔

اب وہ وقت آ رہا ہے کہ بچہ جوانی کی حدوں کو چھو رہا ہے۔ ماں اور باپ دونوں کا سہارا بن گیا ہے۔ اس موقع پر باپ اور بیٹا دونوں کی آزمائش کی گھڑی آتی ہے جس کا ذکر قرآن مجید میں یوں آتا ہے۔ "سو جب وہ اس کے ساتھ کام کاج کی عمر کو پہنچا حضرت ابراہیمؑ نے کہا

اے میرے بیٹے میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ میں تجھے ذبح کرتا ہوں تو دیکھ تیری کیا رائے ہے۔ بیٹے نے کہا اے میرے باپ جو کچھ تجھے حکم دیا جاتا ہے کر آپ مجھے اگر اللہ چاہے صبر کرنے والوں میں سے پائے گا۔ سو جب دونوں نے حکم مانا اور اسے ماتھے کے بل لٹایا اور ہم نے اسے پکارا کہ اے ابراہیم تو نے خواب سچ کر دکھایا۔ اس طرح ہم نیکی کرنے والوں کو بدلہ دیتے ہیں۔ بیشک یہ ایک امتحان تھا اور ہم نے ایک بھاری قربانی اس کا فدیہ دیا اور ہم نے پچھلے لوگوں میں اس کا ذکر خیر باقی رکھا۔ ابراہیم پر سلام ہو" (الصفات ۳۷:۱۰۲-۱۰۹)۔

آپ نے دیکھا کہ قربانیوں کا ایک سلسلہ ہے جو چل رہا ہے۔ حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش بھی دعا کی قبولیت کا نشان تھا جس کی خبر اللہ تعالیٰ نے حضرت حاجرہ کو دی بالکل اس طرح جس طرح حضرت موسیٰؑ کی ماں کو اللہ تعالیٰ نے پیشگی خبر دی تھی۔ چنانچہ نام اسماعیل بھی خدا کے حکم سے ہی رکھا گیا اور یہ نام بھی معانی کے اعتبار سے تاریخی حقیقت کا اظہار کرتا ہے۔ اسماعیلؑ اسمع اور ایل کا مرکب ہے جس کا مطلب ہے خدا نے دعا سنی۔ ایک طرف اگر حضرت اسماعیلؑ کی پیدائش سے جوانی تک باپ' والدہ اور خود بیٹا مشکلات اور امتحان سے گزرتے ہیں تو دوسری طرف خدا نے دعا کی قبولیت کا بھی اتنا ہی عظیم الشان مظاہرہ کیا جتنی عظیم الشان قربانیاں تھیں۔ آج مقام ابراہیم' صفا اور مروہ کے درمیان سعی اور جانور کی قربانی ان عظیم الشان قربانیوں کی زندہ یادگاریں ہیں اور جن کو خدا نے اتنی قدردانی عطا کی کہ انہیں حج کا حصہ بنا دیا۔ اسی طرح خانہ کعبہ میں دنیا کے کونے کونے سے ہر رنگ و نسل اور مختلف بولیاں بولنے والے لاکھوں فرزندان توحید کا بے مثال اجتماع' ان کا اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور پھر مکہ میں ہر قسم کی مصنوعات' پھل اور کھانے پینے کی اشیاء کا سستا اور وافر مقدار میں ہونا حضرت ابراہیم کی دعا کی قبولیت کے ایسے واضح ثبوت ہیں جن کا ہر وہ شخص جو حج کرتا ہے مشاہدہ کرتا ہے۔ مکہ کی بے آب و گیاہ بستی پر اللہ تعالیٰ نے کس کس رنگ میں اپنے افضال کی بارش کی دنیا پر آج یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دعاؤں کو ضرور سنتا ہے اور شرف قبولیت بھی عطا کرتا ہے لیکن اس کا انحصار بندے کی پاکیزگی اور خدا کے احکامات کی پابندی میں اخلاص اور جذبہ قربانی پر ہے۔ یہ تو عیدالاضحیٰ کا وہ مختصر جائزہ تھا جو تاریخ کے حوالے سے کیا گیا۔

لیکن یہ تقریب تو ہم ہر سال مناتے ہیں۔ حاجی تو خدا کے گھر کی زیارت کرتا' وہاں عبادات ادا کرتا اور ان عظیم المرتبت اور عظیم الشان انبیاء کی سنت پر عمل کر کے ایسی روحانی کیفیات سے لطف اندوز ہوتا ہے جس کا اندازہ کعبہ کے در و دیوار میں عبادت کرتے ہوئے اور صفا اور مروہ کی پہاڑیوں کے درمیان دوڑتے ہوئے ہی ہو سکتا ہے۔

مکہ کے علاوہ دیگر مسلمانوں کے لئے بظاہر عیدالاضحیٰ تو عید کی نماز ادا کرنا اور قربانی کے جانور کا ذبح کرنا ہی دو بڑی علامات نظر آتی ہیں لیکن اس سلسلہ میں بھی سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے اعمال ہیں جن کی بدولت امت مسلمہ کا ہر فرد خواہ وہ دنیا کے کسی کونے میں ہو حج کے ذکر و اذکار میں شرکت کرتا اور کسی حد تک اس کی برکات کو حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک طریق تو یہ ہے کہ جس دن کعبہ میں حج ہوتا ہے اس دن فجر کی نماز کے بعد سے عید کے تیسرے دن نماز عصر تک ہر فرض کے بعد فرداً فرداً اور نماز باجماعت کے بعد تکبیریں بلند کی جاتی ہیں جن کے الفاظ یہ ہوتے ہیں اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ۔ واللہ اکبر اللہ اکبر و للہ الحمد یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات بڑی عظمت والی ہے اور اس کے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں اور اس کی ذات ہی انتہائی عظمت والی ہے اور تمام تعریفیں اور صفات اس عظیم ذات کے لئے زیباں ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کی ذات کی عظمت اور بڑائی اور اس کی حمد و ثناء کا یہ ورد ۱۸ نمازوں میں جاری رہتا ہے اور اس طریق پر ہر مسلمان منیٰ' عرفات' طواف کعبہ اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے حاجی کے ذکر و اذکار میں اس رنگ میں شریک ہو جاتا ہے۔

دوسرا طریق یہ ہے کہ گھر کا سربراہ جو قربانی دے رہا ہو حاجیوں کی طرح بال وغیرہ نہیں کٹواتا اور قربانی کے جانور کے ذبح ہونے تک فاقہ کرتا ہے۔ یعنی نماز عید ادا کرنے کے بعد جب تک قربانی کا جانور ذبح نہ ہو جائے کچھ نہیں کھاتا پیتا۔ یعنی ایک رنگ میں اپنے پر اس غم اور اضطراب کی حالت کو طاری کرلیتا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو درپیش ہوا تھا حتیٰ کہ خدا نے بیٹے کی جگہ مینڈھے کی قربانی کا حکم دیا۔

اور تیسرا طریق ہر صاحب استطاعت شخص قربانی کے جانور کو ذبح کرتا ہے۔

یہ تینوں وہ مسنون طریق ہیں جن کے ذریعہ ہر مسلمان مکہ مکرمہ میں فریضہ حج ادا کرنے والوں کے ساتھ شرکت کرتا ہے۔ اس لحاظ سے عیدالاضحیٰ میں اجتماعی عبادت اور خدا کی عظمت اور کبریائی کے اظہار کا جو روح پرور نظارہ دیکھنے میں آتا ہے وہ دنیا کی مذہبی تہواروں اور تقریبات میں منفرد اور یکتا ہے۔ ایک لباس' ایک جذبہ عقیدت' ایک لگن سے سرشار ہر مرد و زن خدا کے حضور اللھم لبیک اللھم لبیک اے ہمارے اللہ ہم تیرے دربار میں حاضر ہیں' اے ہمارے رب ہم تیرے دربار میں حاضر ہیں کا ورد کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور اس کی عظمت کا اقرار کرتا ہے۔ رنگ و نسل اور دیگر قومی اور نسلی امتیازات اور تعصبات کو ختم کر کے اخوت اور مساوات کو پروان چڑھانے کا نئے سرے سے عزم کرتا ہے۔

اسلام میں عبادات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی عظمت اور اس کی صفات کا بیان جہاں انسان میں نظام کائنات میں اس کی قدرت اور حاکمیت کا احساس بیدار کرتا ہے وہاں اس کا اہم اور بڑا مقصد انسان کے کردار میں حسن' خوش خلقی' ہمدردی اور شفقت کا پیدا کرنا بھی ہے جو اس میں سے خود غرضی' خود پرستی' لالچ اور نفس پرستی کو نکال کر ایک اچھا اور سچا انسان بنا دیتا ہے۔

لیکن خواتین و حضرات۔ محض عبادت کرنے سے ہی انسان میں اچھے اعمال کرنے اور ہمدردی اور شفقت کا رویہ پیدا نہیں ہو جاتا جب تک اس کے ساتھ یہ پکا ارادہ شامل نہ ہو کہ خدا کے احکامات پر پورے اخلاص سے عمل کرنا ہے اور یہی عیدالاضحیٰ کا پیغام ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نیکی کرنے اور دوسروں سے بھلائی اور خیرخواہی کرنے کے لئے آپ کو کچھ نہ کچھ اپنے آرام' اپنے جذبات' کبھی اپنے وقت اور کبھی اپنے مال کی قربانی دینا پڑتی ہے۔ اس جذبہ کی کمی یا نہ ہونے کو قرآن مجید نے ویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ کہ ایسے نمازیوں پر خدا کی مار ہو جو اپنی نمازوں سے غافل ہیں۔

دوسروں کی خیرخواہی اور بھلائی کرنا اسلام کی تمام ایمانیات اور عبادات کا ایک اہم اور بنیادی مقصد ہے۔ چنانچہ عیدالفطر کے موقع پر فطرانہ ادا کرنے کو فرض قرار دے کر اور عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کے گوشت کے تیسرے حصہ کو غرباء کے لئے مخصوص کر کے اس مقصد کو عملی شکل دی گئی ہے تاکہ ایک مسلمان ہر خوشی کے موقعہ پر خیر اور بھلائی کے لئے کسی نہ کسی رنگ میں عملاً کچھ کرے۔ حضرت ابراہیمؑ' حضرت حاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ تینوں خدا کے احکام پر عمل کرنے کے لئے جس جذبہ قربانی سے سرشار ہیں عیدالاضحیٰ کے ذریعہ ان کی قربانیوں کی ہمیشہ کے لئے یادگار بنا دیا گیا۔ ہمیں چاہئے کہ ہم ان لازوال شخصیتوں سے جو فرمانبرداری اور قربانی کے روشن مینار ہیں اپنے کرداروں کو روشن کریں اور روزمرہ کے معاملات اور انسانی تعلقات میں اخلاق کے ان عظیم الشان نمونوں سے رہنمائی حاصل کریں۔ یہی عید قرباں منانے کا بڑا مقصد ہے اور ہونا بھی چاہئے۔ عیدالاضحیٰ میں ہمیں ماں کی مامتا' بیوی کی وفاشعاری' نبی کا عزم' بیٹے کی فرمانبرداری' انسانی رشتوں کی وہ حسین کڑیاں ملتی ہیں جو باہم مل کر نیکی کی لازوال روایات قائم کرتی ہیں۔ اے رب قدوس ہم سب کو نیکی کی ان راہوں پر چلنے کی توفیق عطا فرما۔ آمین۔

# بانی سلسلہ احمدیہ کی سیرت کی چند جھلکیاں

اعجاز احمد صاحب لیکچرار

فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ افلا تعقلون○
—— میں تو تم میں اس سے پہلے ایک عمر رہا ہوں کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ (۱۰:۱۶)
اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح
—— سنو آسمان کی آواز، مسیح آگیا مسیح آگیا۔
نیز بشنو از زمین آمد امام کامگار
—— زمین سے بھی امام کامگار کی آمد کی خوشخبری سنو
آسمان بارد نشان الوقت مے گوید زمیں
—— آسمان سے نشان برس رہے ہیں اور زمین کہہ رہی ہے کہ یہی وقت ہے
ایں دو شاہد از پئے من نعرہ زن چوں بے قرار
—— یہ دو گواہ میری تصدیق کی خاطر بے قراروں کی طرح اعلان کر رہے ہیں۔

میری تقریر کا عنوان سورۃ یونس کی آیت ۱۶ ہے جو الہام کے طور پر بھی حضرت مرزا صاحب پر نازل ہوئی ہے۔ کسی بھی شخص کی زندگی اس کا رہن سہن اس کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔

سیما ھم فی وجو ھھم من اثر السجود "ان کے چہروں پر بھی نور بکھر جاتا ہے۔" جناب حضرت مرزا کی زندگی اس الہامی آیت کی آئینہ دار تھی۔

آپ حضور میں اخلاق و کردار کے حسن و جمال کے ساتھ ایک روحانی چمک دمک اور انوار آسمانی ہر وقت آپؑ کے چہرہ پر نظر آتے تھے جنہیں بیان کرنا الفاظ میں ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ یہ فقط دیکھنے ہی سے تعلق رکھتا ہے۔

آپ کا دیدار کرنے والے بتاتے ہیں کہ آپ ایک نور کا پتلا تھے۔ مسجد میں تشریف لاتے تو ایسے لگتا جیسے نور کا جھمکا ہو۔ نیکی او تقدیس کی جو تصویر کھینچی جا سکتی ہے وہ ان میں مجسم تھی۔ آپ کو دیکھ کر مخالفین بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتے اور اکثر تو آپ کے دائرہ عقیدت میں شامل ہو جاتے۔ لوگ کہتے تھے کہ مرزا کے پاس نہ جاؤ وہ جادوگر ہے۔ اور ہپناٹزم کرتا ہے۔ جو بھی اس کے پاس جاتا ہے اس کا گرویدہ اور عقیدت مند ہو جاتا ہے۔ حالانکہ ہپناٹزم آنکھوں کے ذریعے اثر ڈال کر کیا جاتا ہے جبکہ آپ کی آنکھیں تو ہمیشہ نیچی ہی رہا کرتی تھیں۔

قادیان کے باہر ایک ہندو چھابڑی والا کہا کرتا تھا کہ "مہاراج مرزا تو کوئی دیوتا کا روپ ہے۔" بڑے بڑے پٹھان اور سورما یہاں سے یہ کہتے ہوئے گزرے کہ آج تو مرزا کا فیصلہ کر کے ہی آئیں گے مگر جب واپس گئے تو مرزا کی تعریف ہی کرتے ہوئے گئے۔

جوانی کے زمانہ میں آپؑ کے دعویٰ مجددیت سے بہت پہلے آپ ڈلہوزی کے سفر پر تھے راستے میں بہت تیز بارش شروع ہوگئی آپ نے اپنے ساتھی کو قریبی گھر میں پناہ لینے کی اجازت کے لئے بھیجا تو دیکھا کہ تکرار ہو رہی ہے۔ آپ قریب گئے تو پتہ چلا کہ وہ گھر کے اندر پناہ دینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ لیکن جیسے ہی اس کی نظر آپؑ پر پڑی تو اس نے فوراً" کہا آپ اندر آ جائیں۔ پھر مالک مکان کہنے لگا کہ میری ایک جوان بیٹی ہے اس لئے میں کسی کو اپنے گھر آنے نہیں دیتا۔ لیکن آپ کو دیکھ کر تسلی ہوگئی ہے۔

جیسا کہ میں شروع میں کہہ چکا ہوں کہ حضرت مرزا صاحب کے چہرے پر روحانی انوار اور تقدس و طہارت کے نشانات ایسے نمایاں تھے کہ دیکھ کر ایک دفعہ تو دل کھنچنے لگتا تھا اور روح اندر سے بول اٹھتی تھی کہ یہ کوئی بڑا ہی مقدس اور مقرب انسان ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب آپ لاہور، جہلم اور لدھیانہ وغیرہ تشریف لے گئے تو ایک بڑا

ہجوم آپ کی زیارت کے لئے آیا تھا اور دیکھتے ہی سبحان اللہ کہہ اٹھتا۔ لوگ اس قدر متاثر ہوتے کہ بعد میں مولویوں کو طرح طرح کے جھوٹ اور بہتان ان پر باندھنے پڑتے اور تکفیر کے فتوؤں کو دہراتے اور ان کی عورتوں پر طلاقیں ڈالنی پڑتیں۔ یہ ہپناٹزم نہیں تھا بلکہ آسمانی نور تھا جو کہ مجددین اور اولیاء کے چہروں پر برستا ہے۔

حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے سیرت کا ہر پہلو روشن اور اثر انگیز تھا۔ اس وقت میں صرف چند ایک پہلوؤں کا مختصراً ذکر کروں گا۔

## حیاء

آپ انتہائی باحیا تھے۔ آنکھیں ہمیشہ نچی رکھتے تھے۔ اوروں کو علم ہی نہ ہوتا کہ ان کے پاس کوئی بیٹھا ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات یہ کسی کے متعلق پوچھتے تو ان کو بتایا جاتا کہ وہ تو حضور کے پاس ہی بیٹھا ہے۔ آنکھ اٹھا کر کم بات کرتے تھے۔

حضرت مولانا محمد احسن صاحب اور ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کے ساتھ سیر کے لئے جاتے تھے۔ ایک دن وہ آپ کا انتظار کر رہے تھے کہ آپ کے گھر کے سامنے دو پٹھان چچا بھتیجا لڑ پڑے۔ اس کا آپ کی طبیعت پر اتنا اثر ہوا کہ سیر کا ارادہ ترک کر دیا۔

سکون قلب، توجہ اور حلم ایسی خصوصیات ہیں کہ بڑے بڑے لوگ انہیں حاصل کرنے کی نہ صرف خواہش رکھتے ہیں بلکہ دعائیں بھی کرتے ہیں۔ مگر ذرا سے شور سے ہی توجہ میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ بڑے بڑے مصنف اور صوفی بڑے نازک طبع ہوتے ہیں۔ معمولی سے پرندے کی آواز سے بھی بھڑک اٹھتے ہیں۔ لیکن آپ جب کبھی کسی تصنیف کے کام میں مشغول ہوتے۔ تو اردگرد کے شوروغل کو محسوس بھی نہ کرتے اور اپنے کام میں مگن رہتے۔

حضرت مرزا صاحب ایک نہایت اہم مضمون لکھ رہے تھے اور پاس ہنگامہ تھا۔ بچے اور عورتیں لڑ جھگڑ رہے تھے۔ حضرت مولانا عبدالکریم نے ڈانٹ لگائی۔ لیکن آپؑ یوں لکھتے رہے جیسے تنہائی ہی تنہائی ہے۔ تصنیف و تالیف کے انہماک کا یہ عالم تھا کہ مرزا محمود احمد صاحب چار سال کے تھے۔ حضرتؑ صاحب کے کمرہ میں دیگر بچوں کے ساتھ گھس آئے ان کے ہاتھ میں ماچس تھی۔ انہوں نے چند کاغذ لئے اور ان کو آگ لگا دی اور لگے تالیاں بجانے۔ کاغذ تھوڑے تھے جلد جل گئے اور آگ بجھ گئی۔ کچھ دیر بعد حضرت مرزا صاحب کو سیاق و سباق ملانے کے لئے ان کاغذوں کی ضرورت پیش آئی تو آپ نے بہت ڈھونڈا۔ سب سے پوچھا مگر سب چپ۔ آخر میں ایک بچہ بول اٹھا کہ محمود احمد صاحب نے تو وہ کاغذ جلا دیئے ہیں۔ گھر کے سب لوگ حیران پریشان تھے کہ اب کیا ہوگا۔ مگر حضرت مرزا صاحب مسکرا دیئے اور فرمایا اچھا خدا چاہتا ہے کہ اس سے بہتر مضمون ہمیں سمجھائے۔

اسی طرح ایک دفعہ غالباً حضرت مولانا نورالدین سے ایک ضروری مسودہ گم ہوگیا۔ بڑے پریشان ہوئے۔ بہت ڈھونڈا۔ جب اس بات کا علم حضرت مرزا صاحب کو ہوا تو الٹا مولانا صاحب سے معذرت کی کہ آپ کو اس سلسلہ میں تکلیف ہوئی۔ میرا تو یہ اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر مضمون ہمیں عطا فرمائے گا۔

بیماری میں صبر اور حلم کا نمونہ تھے۔ بیوی کے ساتھ حلم اور بردباری سے پیش آتے ہیں۔ بچوں کے ساتھ شفقت اور رحم دلی۔ ملازموں کے ساتھ نرم گفتاری اور نرمی برتتے۔ مریدوں کے ساتھ پیار، شفقت اور انتہائی خیرخواہی کا برتاؤ تھا۔

درگزر کرنے میں کمال تھا۔ خطائیں معاف کرنے میں انتہائی رحم دل ہیں۔ بڑے سے بڑے دشمن نے بھی معافی مانگ لی تو فوراً معاف کر دیا۔ اپنوں اور غیروں کی چشم پوشی فرماتے۔ لوگوں کا مفت علاج کرتے۔ آپ کے مریضوں میں دشمن اسلام، آریہ، مخالف رشتہ دار اور جاہل اور گنوار عورتیں بھی شامل تھیں۔ کئی دفعہ علاج معالجہ میں گھنٹوں صرف کر دیتے۔ لیکن نہ تھکتے نہ اکتاتے۔ اکثر فرمایا کرتے کہ نیکی کے ایسے کاموں میں مومن کو ست اور لاپرواہ نہیں ہونا چاہئے۔

اسلامی مساوات کا مثالی نمونہ تھے۔ شہرت اور بڑائی سے نفرت تھی۔ میلے سے میلے کپڑے والا غریب آدمی کو بھی آپ پہلو میں بٹھا لیتے۔ ایک دفعہ گرمیوں کی دوپہر تھی آپ ٹہل رہے تھے تو حضرت مولوی عبدالکریم صاحب آپ کی چارپائی پر لیٹ گئے اور ان کی آنکھ لگ گئی۔ جب آنکھ کھلی تو دیکھا حضرت مرزا صاحب نیچے فرش پر لیٹے ہوئے ہیں۔ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب گھبرا کر اٹھ کھڑے ہوئے تو حضرت نے فرمایا نہیں آپ لیٹے رہیں۔ میں آپ کی حفاظت کی خاطر

لیٹا تھا۔ بچے شور مچاتے تھے انہیں منع کرتا رہا تاکہ آپ کی نیند میں خلل نہ آئے۔ ایسا ہی ایک واقعہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے ساتھ بھی پیش آیا۔

ایک بوڑھی گنوار عورت حضرت کے گھر میں آئی اس نے مٹی کے گھڑے سے پانی بغیر اجازت کے پی لیا۔ گھر کی کسی نفیس خاتون نے دیکھا تو کہا کہ اس برتن کو توڑ دو۔ آپ نے سنا تو فرمایا توڑنے کا کیا مطلب لاؤ اس میں مجھے پانی دو میں پیوں گا۔

آپ کی نصیحت میں نہایت درجہ اثر تھا۔ ڈاکٹر بشارت احمد صاحب لکھتے ہیں کہ ان کے ایک دوست جو سٹیشن ماسٹر تھے رشوت لیتے تھے حضرت صاحب نے انہیں تنہائی میں فقط اتنا فرمایا بابو صاحب رشوت لینے والے کی تو دنیا میں بھی کوئی عزت نہیں ہوتی۔ اتنا کہنا ہی ڈاکٹر بشارت احمد صاحب کے دوست کے دل کو کھا گیا۔

مکینوں اور مہمانوں کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے۔ میر ناصر نواب صاحب ایک دفعہ کسی مہمان سے کسی قدر سختی سے پیش آئے۔ حضرت صاحب کو خبر ہوئی آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہوگیا اور بڑے درد بھرے لہجے میں فرمایا میر صاحب مجھے سخت تکلیف پہنچی ہے۔ آپ باربار اس فقرہ کو دھراتے قریب تھا کہ آپ کے آنسو نکل آتے۔ پھر فرمایا میر صاحب یہ مہمان آپ کے پاس نہیں آتے میرے پاس آتے ہیں۔

ایک دفعہ رات گئے ایک مہمان آگیا۔ کوئی چارپائی خالی نہ تھی سب سو رہے تھے۔ حضرت صاحب نے فرمایا ذرا ٹھہریئے میں ابھی انتظام کرتا ہوں۔ آپ اندر تشریف لے گئے دیر تک واپس نہ آئے۔ مہمان نے سمجھا کہ شاید حضرت صاحب بھول گئے ہیں۔ ڈیوڑھی میں سے جھانکا تو دیکھا کہ ایک صاجب چارپائی بن رہے ہیں اور حضرت صاحب خود مٹی کا دیا لئے کھڑے ہیں۔

آپ کی سخاوت بھی کمال درجہ کی تھی۔ دوسروں کی امداد بھی کرتے اور پھر اپنی جبلی حیا کی وجہ سے خاموش رہتے اور کسی طرح بھی اس کا اظہار نہ فرماتے۔

ایک دفعہ آپ کو علم ہوا کہ آپ کے ایک مرید کی مالی حالت کمزور ہے۔ آپ نے ایک تھیلی میں روپے ڈالے غالباً" ۲۵ روپے تھے۔ مرید کے گھر تشریف لے گئے۔ مرید بے حد خوش ہوا کہ حضرت خود چل کر اس کے گھر آئے ہیں۔ ادھر ادھر کی باتیں کیں۔ مالی مشکلات کے بارے میں باتیں ہونے لگیں تو فرمایا کہ اگر تھوڑے پر شکر کیا جائے تو اللہ تعالیٰ تنگی کو دور کر دیتا ہے۔ واپس جاتے ہوئے تھیلی وہیں چھوڑ آئے۔ بعد میں مرید نے جب تھیلی دیکھی تو بھاگتا ہوا حضور کے پاس پہنچا کہ آپ کی تھیلی رہ گئی ہے۔ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا نہیں یہ آپ کے لئے ہیں۔

ایک دفعہ عبدالرحیم صاحب کے کھانے میں مکھی پڑ گئی۔ اس پر انہوں کھانا ترک کر دیا۔ گھر کی خادمہ برتن واپس لے گئی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس وقت حضرت مرزا صاحب کھانا تناول فرما رہے تھے۔ خادمہ نے یہ بات انہیں بتا دی تو انہوں اپنا کھانا خادمہ کو دے کر کہا کہ یہ لے جاؤ اور اپنے ہاتھ کا لقمہ بھی اس میں چھوڑ دیا۔

اسی طرح آپ کے مکان کے احاطے میں ہی ایک مرید رہتے تھے۔ ضرورت کا پتہ چلا تو ان کی کھڑکی میں سے روپوں کی ایک تھیلی اندر پھینک دی اور کسی کو بتا دیا کہ اگر پوچھیں تو کہنا میں نے چھوڑے ہیں۔

اسی طرح حضرت صاحب کو پتہ چلا کہ کسی مرید کا مکان قرض خواہوں کی وجہ سے قرق ہوا چاہتا ہے۔ اور قرض ۵۰ روپے تھا۔ آپ نے ان صاحب تک پہنچانے کے لئے مولوی عبدالکریم صاحب کو ۶۰ روپے دیئے۔ حضرت مولانا نے کہا کہ حضور ان صاحب کا قرض تو ۵۰ روپوں کا ہے اور آپ ۶۰ روپے دے رہے ہیں۔ تو آپؑ نے فرمایا کہ ۵۰ روپے تو قرض کے لئے ہیں پھر اس کو مزید خرچہ اور کرایہ مکان کے لئے بھی تو کچھ چاہیے ہوگا۔

سید محی الدین کی نئی نئی شادی ہوئی۔ حضرت مرزا صاحب اکثر ان کا حال احوال دریافت کیا کرتے تھے۔ ایک دفعہ سید صاحب کہنے لگے کہ بیگم صاحبہ کہتی ہیں کہ ہمارا اپنا گھر ہونا چاہئے۔ (جیسے کہ آج کل بھی رواج ہے) اور وہ کہنے لگے کہ فلاں رئیس کے پاس جاتا ہوں کہ ان سے مکان بنانے کے لئے قرض ملنے کی امید ہے۔ اس پر حضرت نے فرمایا۔ جائیے! جب سید صاحب واپس آئے تو حضرت مرزا صاحب نے خود دریافت کیا کہ کیا سید صاحب کو گھر بنانے کے لئے رقم مل

گئی۔ فرمایا نہیں۔ اس پر حضرت مرزا صاحب نے فرمایا کہ ہم نے آپ کے مکان کے لئے رقم رکھی ہوئی ہے۔ پھر آپؑ نے انہیں ۵۰۰ روپے مرحمت فرما دیئے۔

تبلیغ میں انتہائی نرمی کا مظاہرہ کرتے اور مخالفین سے حسن سلوک فرماتے۔ ہر کسی کی بات انہماک سے سنتے۔

ایک دفعہ ایک مولوی لکھنؤ سے آیا اور کہنے لگا کہ میں تحقیقات کے لئے آیا ہوں۔ اس کا لہجہ نہایت گستاخانہ تھا۔ آپ نے اپنے دعویٰ کے متعلق تقریر فرمائی۔ بجائے اس کے کہ وہ آپؑ کے دلائل غور سے سنتا تقریر کے درمیان میں ہی نہایت بدتمیزی سے بول پڑا کہ آپ کے حلق سے قاف تو نکلتا ہی نہیں' آپ کیسے مہدی ہو سکتے ہیں۔ مولوی مبارک علی صاحب نے اسے ٹوکا تو حضرت صاحب نے انہیں روک دیا اور صبر و حلم کی تلقین فرمائی۔ وہاں صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید بھی بیٹھے تھے۔ کسی دوسرے وقت جب صاحبزادہ صاحب مجلس میں موجود نہ تھے تو آپؑ نے بتایا اس وقت صاحبزادہ صاحب کو بہت غصہ آگیا تھا اور مجھے ڈر تھا کہ کہیں غصہ میں وہ اس مولوی کو مار ہی نہ دیں اس لئے میں نے صاحبزادہ صاحب کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں دبائے رکھا۔

۱۸۹۱ء جب آپ لاہور تشریف لائے تو ایک شخص آپ کے پاس آیا اور آتے ہی گالیاں دینی شروع کر دیں۔ جب بہت دیر تک بکنے کے بعد چپ ہوا تو آپ نے نہایت آرام سے کہا بھائی کچھ اور کہنا ہے تو کہہ لو------ ایک پڑھا لکھا ہندو وہاں بیٹھا ہوا تھا کہنے لگا کہ حضرت مسیح کی نرم مزاجی کی حکایتیں تو ہم نے سنی تھیں مگر آج آنکھوں سے دیکھ لیا۔

حضرت مرزا صاحب کے کردار میں اخلاق و کردار کا اعلیٰ ترین نمونہ اسلامی تعلیمات کا آئینہ دار تھا۔ اس کا سرچشمہ زندہ خدا پر ایمان اور رسول ﷺ سے گہرا عشق تھا۔ جو آپ کے قریب بیٹھنے والوں اور ان کے ارادت مندوں میں دینؔ کے لئے جذبہ ایمان اور ایثار پیدا کر دیتا تھا۔

اگر خواہی نشان بے نشانے
بیا کن مجلسے با آں نگارے

اگر تو خدا کا نشان چاہتا ہے تو اس بزرگ کی مجلس میں بیٹھ

حضرت مسیح موعود کی شخصیت کا اثر ہر ملنے والے پر ہوتا۔ اس سلسلہ میں دو واقعات کا ذکر کرتا ہوں۔

☆ ایک صاحب میاں یوسف خان صاحب کے ساتھ مردان سے قادیان حضرت مولانا نورالدین سے علاج کے لئے آئے۔ یہ صاحب حضرت مرزا صاحبؑ اور احمدیوں کے سخت مخالف تھے۔ اس لئے ان کی شرط کے مطابق انہیں قادیان میں ایسی جگہ ٹھہرایا گیا جہاں احمدیوں کا یا حضرت مرزا صاحبؑ کا گزر نہ ہو۔ جب ان کا علاج مکمل ہوگیا تو یوسف صاحب نے انہیں کہا کہ آپ ہماری مسجد تو دیکھتے جائیں۔ ان کے کہنے کے مطابق انہیں وہاں ایسے وقت میں لے جایا گیا جب کسی کے وہاں ہونے کی توقع ہرگز نہ تھی۔ لیکن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ عین اسی وقت حضرت مرزا صاحبؑ کسی کام کے سلسلہ میں کھڑکی سے مسجد میں داخل ہوئے۔ جیسے ہی ان صاحب کی نظر حضرت مرزا صاحب پر پڑی تو بے ساختہ آگے بڑھے پھر وہیں انہوں نے حضرت مرزا صاحب کی بیعت کرلی۔

☆ اسی طرح میاں فخرالدین ملتانی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد حضرت مرزا صاحب کے نہایت سخت مخالف تھے۔ وہ کہا کرتے کہ اگر حضرت مرزا صاحب انہیں مل جائیں تو وہ نعوذ باللہ ان کے منہ پر لعنتیں کریں گے۔ میاں فخرالدین صاحب ایک دفعہ انہیں حضرت مرزا صاحب سے ملوانے لے گئے۔ یہ اور لوگوں کے ساتھ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت مرزا صاحب مجلس میں تشریف لائے جیسے ہی انہوں (فخرالدین صاحب کے والد صاحب) نے حضور کو دیکھا تو عزت و احترام سے کھڑے ہوگئے۔ اور پھر گھبرا کر ایک قدم پیچھے ہٹ گئے۔ یہ صاحب نہایت ہی تیز و طرار تھے لیکن اس مجلس میں ایک بھی بات منہ سے نہ نکلی۔ بالکل خاموش رہے۔

تبصرہ

# "قادیانی مسئلہ اور لاہوری گروپ کی حیثیت" (۱۰)

## آئین پاکستان میں مسلم کی جدید تعریف اور اس کے مضر اثرات ---۱

بشارت احمد بقا

ڈاکٹر ایم اے غازی صاحب نے اپنی کتاب کے بیرونی حصہ پر آئین پاکستان میں جو مسلم اور غیر مسلم کی تعریف درج ہوئی ہے' نمایاں طور پر شائع کی ہے۔ چونکہ اس تازہ تعریف کا ختم نبوت کے عقیدہ سے گہرا تعلق ہے اس لئے ہم نے مناسب سمجھا ہے کہ ختم نبوت کے مضمون کے بعد اس پر بھی گفتگو کر لی جائے اور دیکھ لیا جائے کہ یہ تعریف کہاں تک قرآن شریف' احادیث نبوی اور صلحاء امت کے اقوال سے مطابقت رکھتی ہے۔

اس تعریف کو پڑھ کر سب سے پہلا سوال ذہن میں یہ اٹھتا ہے کہ اسلام کو دنیا میں آئے ہوئے چودہ سو برس سے زیادہ عرصہ گزر گیا ہے۔ کیا اس طویل عرصہ میں ایک مسلم اور غیر مسلم کی تعریف کا تعین نہیں ہوا اور مسلمانان عالم کو یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ مسلم کون ہوتا ہے اور غیر مسلم کون؟ اس سوال کا جواب علم دین سے ہر واقف شخص یہی دے گا کہ مسلم اور غیر مسلم کی تعریف کا آغاز اسلام میں ہی فیصلہ ہو چکا تھا۔ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لے آیا وہ مسلم قرار پایا اور جو توحید اور رسالت پر ایمان لانے سے محروم رہا وہ کافر اور غیر مسلم قرار پایا۔ اسی اقرار کی مزید وضاحت کلام الٰہی میں یوں کی گئی۔

"یہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں اور جویائے حق یعنی متقیوں کے لئے ہدایت ہے اور یہ وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انہیں بطور رزق عطا کیا ہے اس میں سے خدا کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں اس پر جو ہم نے اے نبیؐ آپ پر اتارا ہے اور اس پر بھی جو آپؐ سے پہلے نبیوں پر اتارا گیا اور جو یوم آخرت پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اللہ کے نزدیک ہدایت یافتہ ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں" (البقرہ ۲:۱-۵)۔

پھر ارشاد ہوتا ہے:

"اللہ کا رسول ایمان لاتا ہے اس پر جو اللہ کی طرف سے اس پر نازل ہوا اور وہ بھی جو ایمان یافتہ ہوئے۔ سب کے سب اللہ اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔ ہم اس کے تمام رسولوں میں کچھ بھی فرق نہیں کرتے اور کہتے ہیں ہم نے سن لیا اور اطاعت کرتے ہیں۔ اے ہمارے رب ہمیں تیری حفاظت چاہئے اور انجام کار ہم نے تیری طرف لوٹنا ہے" (۲: ۲۸۵)۔

اللہ تعالیٰ نے تو مسلمانوں کو وسعت قلبی کی تعلیم دی کہ فرمایا وہ ولا تقولوا لمن القٰی الیکم السلام لست مومنا (۴ : ۹۴) یعنی جو شخص تمہیں سلام علیک کہے اسے مت کہو کہ تو مسلمان نہیں۔ کلمہ طیبہ پڑھنے والا اور اسلامی طریق سے سلام کرنے والا حق رکھتا ہے کہ اسے مسلمان یقین کیا جائے اور اس کے بارے میں زیادہ تفتیش میں نہ پڑھنا چاہئے' کیونکہ اندر کا حال صرف خدا تعالیٰ کو معلوم ہوتا ہے۔ یہ ہے تعریف ایک مسلمان کی جو خدا تعالیٰ نے اپنے پاک کلام میں وضع فرمائی ہے۔ اب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کو لیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مسلمان کی کیا تعریف بیان فرمائی ہے۔ اس سلسلہ میں حضورؐ نے مختلف پیرائے اختیار فرمائے ہیں۔ حضور ﷺ کے ارشادات کا ہم قارئین کی سہولت کے لئے

صرف اردو زبان میں ترجمہ پیش کرتے ہیں۔

حدیث اول: "اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر ہے کلمہ شہادت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' نماز کا قائم کرنا' زکوٰۃ دینا' حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔" (بخاری شریف کتاب الایمان بروائت ابن عمرؓ)

حدیث دوم: "آنحضرت ﷺ کے پاس جبرائیلؑ آیا اور پوچھا اسلام کیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کلمہ شہادت لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا' نماز قائم کرنا' زکوٰۃ دینا' رمضان کے روزے رکھنا' حج بیت اللہ کرنا بشرط مقدرت اور راستے کا صاف ہونا۔" (مشکوٰۃ کتاب الایمان بروائت حضرت عمرؓ)

حدیث سوم: آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

"جس نے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دی اور ہمارے قبلہ کی پیروی کی' ہماری نماز پڑھی اور ہمارا ذبیحہ کھایا وہ مسلمان ہے اس کے لئے وہی حق ہے جو مسلمانوں کا ہے اور اس پر وہی فرض ہے جو مسلمانوں پر ہے۔" (بخاری کتاب الصلوۃ)

حدیث چہارم: "جو شخص ہماری نماز پڑھتا ہے اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتا ہے اور ہمارا ذبیحہ کھاتا ہے وہ مسلمان ہے۔ اس کے مسلمان ہونے کے ذمہ دار خدا اور خدا کے رسول ہیں۔ پس خدا اور اس کے رسول کی ذمہ داری کی تحقیر نہ کرنا۔" (بخاری شریف)

حدیث پنجم: "حضرت اسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ایک سریہ میں بھیجا ——— پھر میں نے ایک شخص کو پایا اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا میں نے اسے نیزہ سے مار دیا۔ اس کے بعد میرے دل میں خیال آیا میں نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا کیا اس نے لا الٰہ الا اللہ کہا تھا اور تو نے اسے مار دیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے ہتھیار سے ڈر کر پڑھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھ لیا تھا کہ آیا اس نے دل سے یہ کلمہ پڑھا تھا یا نہیں۔ پھر آپؐ بار بار یہی فرماتے رہے یہاں تک کہ میں نے آرزو کی کہ کاش میں آج ہی مسلمان ہوا ہوتا" (صحیح مسلم)۔

مندرجہ بالا احادیث میں خدا تعالیٰ کے رسولؐ نے ایک مسلمان کی مفصل اور مجمل دونوں طرح کی تعریف فرما دی ہے اور حضرت اسامہ بن زیدؓ کے فعل پر سخت بیزاری کا نہ صرف اظہار فرمایا ہے بلکہ امت کو یہ تنبیہہ بھی کر دی ہے کہ جب کوئی شخص کلمہ طیبہ کا اقرار اپنی زبان سے کرتا ہے تو تمہارا فرض ہے کہ تم اسے مسلمان سمجھو نیتوں کا حال صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ گویا شریعت کا فتوٰی ظاہر پر ہے۔ باطن پر نہیں۔

اب ہم علماء کرام کی طرف رجوع کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان کے نزدیک مسلمان کی کیا تعریف ہے۔

حضرت امام ابو منصور محمد بن محمد حنفی ماتریدی فرماتے ہیں۔

"جو شخص یہ چاہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہو تو وہ زبان سے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے اور دل سے اس کے مفہوم کی تصدیق کرے۔ پس وہ شخص مومن ہے اگرچہ فرائض اور محرمات سے بے خبر ہو"۔ (شرح فقہ اکبر مطبوعہ دائرۃ المعارف ص ۳۴)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہماری نماز پڑھے اور ہمارے قبلہ کو قبلہ سمجھے اور ہمارے ہاتھ کا ذبیحہ کھائے تو وہ مسلمان ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسولؐ کا معاہدہ ہے پس تم لوگ اللہ تعالیٰ کے معاہدہ میں خیانت نہ کرنا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین چیزیں ایمان کی بنیاد ہیں جس شخص نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہے نہ تو اس کو کسی گناہ کے سبب کافر قرار دے اور نہ تو کسی عمل کی وجہ سے اسلام سے خارج کر" (حجتہ البالغہ جلد اول ص ۳۲۲)۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم فرماتے ہیں۔

"مسلم کے لفظ سے صرف اس قدر مراد ہے کہ اس میں شریک ہونے والا اسلام کا دعویٰ رکھتا ہو اور کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتا ہو۔" (خطبات صدارت ص ۱۵)

مولانا شبلی نعمانی مرحوم فرماتے ہیں۔

''اسلام کی اصلی بنیاد جن امور پر قائم ہے وہ صرف توحید اور نبوت ہے۔ من قال لا الہ الا اللہ دخل الجنتہ یہ اسلام بالکل سادہ' صاف اور مختصر ہے اور یہی سادگی ہے جس کی بنا پر اسلام کو اور مذاہب پر ترجیح ہے۔ اسی سادگی پر یورپ کا ایک محقق ان الفاظ میں حسرت ظاہر کرتا ہے۔ ''اگر حکیم عیسائی مذہب کے طول طویل اور پر پیچ عقائد مذہبی پر نظر ڈالے گا تو بول اٹھے گا کہ آہ میرا مذہب ایسا سادہ اور صاف کیوں نہ ہوا اگر میں ایمان لاتا ایک خدا پر اور اس کے رسول محمدؐ پر۔'' یہی دو لفظ تھے جن کے زبان پر لانے سے اور یقین کرنے سے دفعتہ'' کافر مسلمان' گمراہ ہدایت یافتہ' شقی سعید اور مردود مقبول بن جاتا ہے'' (علم الکلام ص ۲۳۶)۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی کا نظریہ بھی ملاحظہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں۔

''ان احادیث میں حضورؐ نے اسلام کا دستوری قانون بیان فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص خدا کی وحدانیت اور آپؐ کی رسالت کو ماننے کا اقرار کرے تو وہ دائرہ اسلام میں آجاتا ہے اور اسلامی سٹیٹ کا شہری بن جاتا ہے۔ یہ بات کہ وہ حقیقی مومن ہے کہ نہیں اس کا فیصلہ خدا کرنے والا ہے ہم اس کا فیصلہ کرنے کے مجاز نہیں کیونکہ لم اومر ان اشق عن قلوب الناس ولا عن بطو نہم (مجھ کو لوگوں کے دل چیرنے اور ان کے باطن ٹٹولنے کا حکم نہیں دیا گیا) جان و مال کی عصمت صرف کلمہ توحید اور اعتقاد رسالت کے اقرار سے قائم ہو جاتی ہے؟'' (تفہیمات ص ۱۶۴)۔

حضرت ملا علی قاری حنفی فرماتے ہیں۔

''اگر کسی شخص میں ننانوے وجوہ کفر کے ہوں اور ایک وجہ اسلام کی ہو تو علماء اہل سنت والجماعت کے نزدیک قاضی اور مفتی کا فرض ہے کہ وہ اس وجہ کو اختیار کرے جو اسلام کی ہو (یعنی اس کو مسلمان سمجھے'' (شرح فقہ اکبر مطبوعہ مصر ص ۱۴۶)۔

مزید برآں نماز کی ہر چھوٹی بڑی کتاب میں جو ہر بازار میں بڑی ارزاں قیمت میں دستیاب ہوتی ہے اور ہر مسلمان گھرانے میں موجود ہے ایمان مجمل اور ایمان مفصل اور کلمہ طیبہ کے علاوہ پانچ اور کلمے لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کے اندر اسلامی تعلیم کا ہی اقرار درج ہے۔ جن سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمان کی تعریف کا تعین بالکل آغاز اسلام میں ہی ہو چکا ہوا ہے اور اسلامی یک جہتی اور ملی اتحاد کی خاطر علماء حق نے یہاں تک نرمی اختیار کی ہے کہ اگر کسی مسلمان میں ننانوے وجوہ کفر کی پائی جائیں اور صرف ایک وجہ اسلام کی پائی جائے تو اسے مسلمان اور دائرہ اسلام کے اندر جانو۔ وہ ایک وجہ اسلام کی ہر عقلمند کے نزدیک یہ ہے کہ وہ شخص کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا مقرر ہو۔ یہ کتنا بڑا المیہ ہے کہ ایک طرف اہل اللہ نے کفرستانوں میں جاکر نہایت بے سروسامانی کی حالت میں توحید کی شمعیں روشن کیں اور بت پرستوں کو اپنی توجہ روحانی سے خدا پرست بنا دیا اور اسلام کو چار چاند لگا دیئے مگر دوسری طرف علماء ظاہر اپنی تمام ہمتیں اور تمام علمی توانائیاں مسلمانوں کو معمولی معمولی فروعی اختلافات کی بنا کر دائرہ اسلام سے خارج کرنے کی مذبوح سرگرمی میں صرف کرتے ہیں اور اسی کو اسلام کی بہت بڑی خدمت قرار دیتے ہیں۔

ساری تاریخ اسلام دیکھ لیں آپ کو نظر آجائے گا کہ خدا کا ہر مرد حق ان علماء کی چیرہ دستیوں کا غنچہ بنتا رہا ہے۔ بزرگان دین نے تو پہلے یہ بتا دیا ہوا تھا کہ جب مسیح مہدی آئے گا تو اس کی اسی شدت سے مخالفت اور تکفیر ہوگی جس شدت سے حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ہوئی اور جو سلوک علماء اور حاکم وقت نے حضرت امام ابو حنیفہؒ سے کیا وہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہے۔ جو شخص بھی ان حالات کو پڑھتا ہے اس کا سر ندامت سے جھک جاتا ہے۔

بانی سلسلہ احمدیہ کے متبعین کو باوجود اس کے کہ وہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے زبان سے مقر اور دل سے تصدیق کرتے ہیں۔ پانچ وقت قبلہ رخ ہو کر وہی نماز پڑھتے ہیں جو عالم اسلام میں پڑھی جاتی ہے اور ماہ رمضان کے روزے حسب حکم حق تعالیٰ مندرجہ قرآن شریف باقاعدگی سے رکھتے ہیں۔ اور زکوٰۃ کے حکم کی تعمیل

کرتے ہیں۔ موجودہ پابندی اور حد بندی سے قبل حج بیت اللہ بھی کرتے تھے اور جن ممالک میں کوئی قرض نہیں وہاں کے احمدی ہر سال اب بھی حج بیت اللہ کرتے ہیں اور ان شعائر اسلام کی پابندی کے ساتھ ساتھ اشاعت اسلام اور تبلیغ حق کے لئے بڑھ چڑھ کر اپنی حلال کمائی میں سے خرچ کرتے ہیں، غیر مسلم قرار دے کر دائرہ اسلام سے خارج کر دیا گیا ہے۔ اور تمام سیاسی لوگ اور حق کے دشمن علماء بھی اس غیر عادلانہ قدم کو تاریخ کا ایک سنہری کارنامہ قرار دیتے ہیں۔ یہ فیصلہ کرتے وقت کسی کا دل نہ کانپا کہ ننانوے وجوہ کفر کی تو خود ہمارے اندر موجود ہیں اور صرف ایک وجہ اسلام کی یعنی کلمہ طیبہ کے اقرار کی ہم رکھتے ہیں۔ ہمیں کہاں حق پہنچتا ہے کہ ننانوے وجوہ اسلام کی رکھنے والے گروہ کو ہم دائرہ اسلام سے خارج قرار دیں۔ احمدیوں کو غیر مسلم قرار دینے کی تحریک میں اور قومی اسمبلی میں بطور منصف بیٹھنے والے افراد کا اپنا اسلام کیا تھا۔ اس کی کیفیت ملاحظہ ہو۔

"بڑی مدت کے بعد یہ حدیث غریب اور قصہ عجیب سامنے آیا ہے کہ تائید اسلام ایک ایسے شخص کے ہاتھوں ہوگئی جو ایک دنیا دار آدمی ہے۔ مذہبی تعلیم کم ہے جسے اسلامی فقہ کی باریکیوں کے سمجھنے کے لئے نہ تیار کیا گیا اور نہ کسی نے اس مقصد کے لئے اسے پڑھایا جس کی تربیت بھی ایسے گھرانے میں ہوئی جس کا ماحول سیاسی زیادہ اور دینی کم اور جس کے ساتھ جو لوگ بھی لگے ہوئے تھے وہ بھی کچھ دینی تعلیم کے ماہر نہیں ہیں۔ بوالعجبی ہے کہ ہماری اسلامی تاریخ کا ایک بہت بڑا کام اس سے کیسے ہوگیا۔ قادیانی مسئلہ جس قدر اہم تھا اسی قدر نازک بھی تھا۔ سابقہ حکومتوں میں کسی کو ہمت نہ پڑی تھی کہ اس پر حکم لگائیں سابقہ حکومتوں کو جید علماء کی صلاح کاری اب سے زیادہ میسر تھی لیکن وہ جرات سے کام نہ لے سکے کہ حکومت کی سطح پر اس کا کوئی حل کریں اور یہ بڑی ذمہ داری کا کام تھا۔ یہ لوگ یہ ذمہ داری نہ لے سکے لیکن یہ کام ظلوم و جہول پیپلز پارٹی کی قیادت کو نصیب ہوگیا۔ اللہ جس سے چاہتا ہے کوئی کام لے لیتا ہے۔ یہ پیپلز پارٹی کے انٹ شنٹ یہ دنیا دار اور نیم دراز اور منہ پھٹ منہ دراز لڑکے جو مساجد میں صرف عید کے روز جاتے ہیں اور نماز صرف اپنے ماں باپ کے جنازوں کی پڑھتے ہیں۔ یہ نیم اشتراکی، نیم سرمایہ دار، نیم کمیونسٹ، نیم مسلمان کم عمر چھوکرے جو ملک کی سیاست میں دخیل ہیں خواہ کسی نیت سے ہی سہی وہ کام کر گئے ہیں جو کسی بڑے سے بڑے عالم فقیہہ اور کسی مطلق العنان سلطان سے بھی نہ ہو سکا۔" (روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۴ء)

قوم کے پیش نظر مسئلہ خالص دینی نوعیت کا تھا، جس کے لئے بڑے فقہ اور علم دین کی ضرورت تھی۔ سابقہ حکومتوں نے یہ مسئلہ اس لئے حل نہ کیا کہ اسے اٹھانے والوں کی بدنیتی سے وہ خوب آگاہ تھیں اور انہیں کلمہ طیبہ کا بڑا پاس ادب تھا۔ وہ اس دنیا کی زندگی اور اپنے سیاسی وقار واختیار کو بالکل عارضی جانتی تھیں اور پرسش خداوندی سے ان کے دل کانپتے تھے۔

جیسا کہ آپ اوپر دیکھ چکے ہیں مسلمان کی تعریف صدیوں سے مسلمہ اور مصدقہ موجود ہے جو خدا اور رسولؐ نے کر دی ہوئی ہے اور جس کو پیش نظر رکھ کر علماء حق نے مزید اس پر روشنی ڈالی ہوئی ہے۔ اس کی موجودگی میں کسی نئی تعریف کی ضرورت تب ہی پڑ سکتی ہے جب یہ ثابت ہو جائے کہ اس میں کوئی نقائص باقی ہیں۔ مگر اس نہج پر تو وہی شخص سوچ سکتا ہے جس کا دل و دماغ کفر آلودہ اور معصیت زدہ ہو۔ روزنامہ "نوائے وقت" لاہور نے دین سے بالکل عاری اور ننگ انسانیت انٹ شنٹ قسم کے نیم اشتراکی اور نیم مسلمان اور نیم کمیونسٹ چھوکروں پر تعریف و تحسین کے ڈونگرے اس لئے برسائے ہیں کیونکہ انہوں نے یہ "تاریخ ساز کارنامہ" سرانجام دیا گویا خدا نے وہ کام جو اخیار کے کرنے کا تھا وہ اشرار سے لے لیا اس خیال آفرینی پر سوائے انا للہ و انا الیہ راجعون کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

اخبار کا تراشہ

# حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور کے انگریزی ترجمۃ القرآن کے بارے میں قابل قدر تبصرہ

ماہنامہ "اسلامی ڈائجسٹ" کراچی نے اپنے شمارہ مارچ ۹۶ء میں "تشریح القرآن" کے عنوان سے قرآن مجید کے بارے میں نہایت علمی مضامین اور قرآن مجید کے اردو اور انگریزی ترجمہ کا سلسلہ شروع کیا ہے جو ایک قابل قدر کوشش ہے۔ اس میں قدیم اور جدید معروف قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر کا غیر جانبدارانہ تبصرہ بھی پیش کیا گیا ہے۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب مرحوم و مغفور کے انگریزی ترجمۃ القرآن اور تفسیر "بیان القرآن" کے متعلق اس میں جو تبصرہ کیا گیا ہے اس کو ہم ذیل میں نقل کر رہے ہیں:

"مولوی محمد علی صاحب کی یہ تفسیر علامہ عبداللہ یوسف علی کی تفسیر سے سترہ سال قبل ۱۹۱۷ء میں شائع ہو چکی تھی، اسی لئے علامہ صاحب نے اپنی تفسیر کے دیباچے میں انگریزی زبان کی دوسری تفاسیر کے علاوہ اس تفسیر کا بھی تعریفی انداز میں ذکر کیا ہے اور لکھا ہے: "انجمن احمدیہ لاہور نے مولوی محمد علی کی تفسیر مع ترجمہ شائع کی ہے، جو اتنی مقبول ہوئی ہے کہ اس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ یہ ایک محققانہ اور فاضلانہ کام ہے۔ تفسیری و تشریحی مواد بہت مناسب و کافی ہے اور آخر میں جو اشاریہ شامل کیا ہے، وہ بہت جامع ہے۔" مولوی صاحب کا اسلوب یہ ہے کہ سورت کے شروع میں خلاصہ مضمون لکھتے ہیں۔ اس کے بعد اس کا تعلق کن سورتوں اور آیتوں سے ہے، اس کی وضاحت کرتے ہیں۔ تاریخ نزول اور ترتیب نزول آیات پر بحث کرتے ہیں۔ ربط و تعلق کے ضمن میں تین قسم کے ربط و تعلق پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ اول آیات کا باہمی تعلق، دوم رکوعوں کا باہمی تعلق اور سوم سورتوں کا باہمی تعلق۔

انگریزی تفسیر و ترجمہ کے پانچ سال بعد اردو تفسیر و ترجمہ بھی "بیان القرآن" کے نام سے شائع ہوا لیکن چونکہ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی کی تفسیر کا بھی یہی نام ہے اور شہرت عام بھی اس کے حصے میں آئی، اس لئے یہ تفسیر مولوی محمد علی کے نام سے جانی پہچانی جاتی ہے، ڈاکٹر صالحہ اس تفسیر و ترجمہ کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتی ہیں: "ترجمہ سلیس ہوتے ہوئے ادبی متانت لئے ہوئے ہے۔ لسانی حیثیت سے فصاحت اور شستگی ہے۔ معنوی لحاظ سے کئی لوگوں کو ان کے عقائد اور خیالات کی وجہ سے ان کے ترجمہ و تفسیر پر اعتراض ہے۔ دراصل وہ جماعت احمدیہ، لاہوری گروپ کے امیر تھے، اس کے باوجود ہمارے خیال میں ان کا ترجمہ و تفسیر "غلط عقائد" کی ترجمانی سے تقریباً خالی ہے۔ انہوں نے بہت محتاط ہو کر، بڑے خلوص سے اور رائے عامہ کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ترجمہ لکھا ہے۔ نص قرآن اور ترتیب الفاظ کا خیال رکھنے کے باوجود ترجمے میں روانی اور تسلسل قائم ہے" (یاد رہے کہ ۱۹۷۴ء میں حکومت پاکستان کے فیصلے کے تحت قادیانی گروپ کے ساتھ ہی لاہوری گروپ کے لوگ بھی غیر مسلم قرار دیئے جا چکے ہیں)۔"